جولائی ۲۰۰۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ایف اے
داخلہ جاری

اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام
ایف اے اور بی اے کی معیاری تعلیم کا جدید ادارہ

طُوبیٰ گرلز کالج (رجسٹرڈ) لاہور

- اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے فروغ پر خصوصی توجہ
- باپردہ اور پاکیزہ ماحول
- خوبصورت اور کشادہ عمارت
- ماڈرن کمپیوٹر لیب اور کمپیوٹر کی لازمی تعلیم بلا اضافی فیس
- طالبات کے لئے ٹرانسپورٹ (Pick & Drop) کی سہولت
- بیرون لاہور کی طالبات کے لیے ہوسٹل کی محدود سہولت

مزید معلومات کے لئے پراسپیکٹس حاصل کریں

طُوبیٰ گرلز کالج 78 سیکٹر اے ون ٹاؤن شپ لاہور

فون 5114581 E-mail: toobacollege@ hotmail.com

DESIGN UNIT

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۵۲

شمارہ: ۷

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

جولائی ۲۰۰۳ء

فی شمارہ ۱۲/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک 125 روپے

☆ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 800 روپے

☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36- کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 03-02-5869501

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67- گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ________ 3

حافظ عاکف سعید

✿ **منتخب نصاب ۔۲** ________ 5

اقامت دین کی فرضیت اور اس کے لئے زوردار دعوت (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **ثانی اثنین** ________ 29

حضرت ابوبکر صدیق ؓ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

✿ **تذکیر و موعظت** ________ 39

جھوٹ کی مذمت

ابوکلیم مقصود الحسن فیضی

✿ **ہماری دعوت** ________ 57

دین ہم سے کیا چاہتا ہے؟

حامد سجاد

✿ **منہاج المسلم** (۳۱) ________ 69

o خصالِ فطرت

o نیند کے آداب

علامہ ابوبکر جابر الجزائری

✿ ✿ ✿

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

ایک نیا شوشہ

موجودہ پاکستانی حکومت امریکہ کے دباؤ پر پہلے ہی اسلام پسند طبقات کو دبانے اور منکرات کو معروف بنا کر پیش کرنے کا مکروہ فعل سرانجام دے کر اللہ کے غضب کو دعوت دینے پر تلی ہوئی ہے' اب اسرائیل کو تسلیم کرنے کا شوشہ چھوڑ کر مسلمانوں کی غیرت کو للکارا جا رہا ہے۔ امریکہ جس کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے' چاہتا ہے کہ اسرائیل کو پاکستان سے کوئی خطرہ نہ رہے تاکہ یہودی اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کر سکیں' جن میں پوری دنیا پر معاشی تسلط کے علاوہ مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور گریٹر اسرائیل کا قیام سرفہرست ہیں۔ لیکن پاکستان جو عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت ہے' امریکہ اور یہود کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ چنانچہ پاکستان کو اسرائیل کے مقابلے میں غیر مؤثر بنانے کے لئے جہاں ایک طرف پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرانے اور ایٹمی ہتھیار تلف کرانے کے لئے شدید دباؤ ڈالا جا رہا ہے وہاں پاکستان کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرے' بھی اسی امریکی پالیسی کا حصہ ہے۔

اسرائیل کا قیام دراصل سازشی ذہنیت' بے اصولی اور ظلم و تعدی کا شاخسانہ ہے۔ چنانچہ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح اور مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال دونوں نے ریاست اسرائیل کے قیام کی شدید مذمت کی تھی۔ قائد اعظم نے اسے ''مغرب کا ناجائز بچہ'' قرار دے کر عیسائیوں اور یہودیوں کی اس مشترکہ سازش کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کی تھی جبکہ علامہ اقبال نے یہ فرما کر کہ ؎

''ہے ارضِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
اسپین پہ کیوں حق نہیں پھر اہل عرب کا''

یہودیوں کے اس دعوے کو مسترد کر دیا تھا کہ وہ فلسطین میں اسرائیلی ریاست قائم کرنے کے مجاز ہیں۔ اسرائیل کے بارے میں یہ بات اب راز نہیں رہی کہ خالص نسلی بنیادوں پر

قائم ہونے والی یہ دنیا کی واحد ریاست ہے جو دھونس' دھاندلی اور ظلم و جبر سے قائم کی گئی تھی۔ یہودیوں نے اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لئے عالم عرب بالخصوص فلسطینیوں پر جس طرح ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے' اس کی بناء پر پوری دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے۔ چنانچہ اسرائیل کو تسلیم کرنا گویا ہر ظلم' دھاندلی' بے اصولی اور دہشت گردی کو تسلیم کرنے اور انہیں وجہ جواز فراہم کرنے کے مترادف ہے۔

موجودہ حکومت کے ذریعے میدان اسی رخ پر ہموار کیا جارہا ہے لیکن کوئی بھی باغیرت مسلمان اسرائیل کو تسلیم کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا پاکستانی عوام کو اس حکومتی تجویز کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے اس سمت میں کسی طور پیش رفت کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

پریس ریلیز

صدر مشرف اگر اسلام کو اپنی ''ترقی پسندی'' سے محفوظ رکھیں تو بہتر ہوگا

امیر تنظیم اسلامی

(12 جون) سرحد اسمبلی نے اگر متفقہ طور پر نفاذ شریعت کے عزم کا اظہار کیا ہے تو اس پر صدر پرویز مشرف یا کسی اور کو اعتراض کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ سرحد اسمبلی میں عوام کے منتخب کردہ نمائندے اگر متفقہ طور پر کسی بل کو منظور کرتے ہیں تو اسے گویا پورے صوبہ سرحد کے عوام کی حمایت حاصل ہوگئی۔ کوئی بھی شخص جو جمہوری اقدار کا ماننے والا ہو' اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے صدر پرویز مشرف کے اُس بیان کی مذمت کرتے ہوئے کہی جو کوہاٹ میں صدر کی تقریر کے حوالے سے اخبارات میں شائع ہوا تھا۔

امیر تنظیم اسلامی نے مزید کہا کہ حقیقی اسلام کیا ہے اور کیا نہیں؟ اس کی وضاحت اور تشریح کے لئے ملک میں وفاقی شرعی عدالت جیسا آئینی ادارہ موجود ہے' اس سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ کسی فرد واحد کو یا ایسے لوگوں کو جو قرآن وسنت سے ناواقف اور عربی سے بے بہرہ ہوں' اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں۔

داڑھی کے بارے میں بھی پرویز مشرف کے نامناسب انداز بیان پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے امیر تنظیم نے کہا کہ دینی شعائر کی پابندی نہ کر سکنے پر کسی بھی مسلمان کو شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنا چاہئے نہ کہ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کا۔ انہوں نے کہا کہ صدر پرویز مشرف اگر اسلام کو اپنی ''ترقی پسندی'' سے محفوظ ہی رکھیں تو یہ ملک وقوم کے حق میں بہتر ہوگا۔

کے انکشاف میں آڑے آ گئی ہو؟ یہ احساسات ہر شریف اور بامروّت انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں مختلف پیرایوں میں حضور ﷺ کو تسلی دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپؐ نہ گھبرائیں' انہیں راہ راست پر لانے کی ذمہ داری آپ کی نہیں ہے' آپؐ پر صرف ابلاغ اور تبلیغ کی ذمہ داری ہے' ہم نے آپؐ کو داروغہ بنا کر نہیں بھیجا' انہیں زبردستی اسلام پر لے آنا آپؐ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور سیاقِ کلام پر غور کرتے ہوئے دیکھئے کہ یہاں اب کیا بات کہی جا رہی ہے۔ یہاں بھی وہی تسلی کا انداز ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ پریشان نہ ہوں' آپ تشویش میں مبتلا نہ ہوں' آپ رنج وصدمے سے دوچار نہ ہوں' یہ معاملہ درحقیقت اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ آپؐ اپنی شرافت کی بناء پر سمجھ رہے ہیں کہ سچی بات ہے' اسے قبول کیا جانا چاہئے۔ ہر سچا آدمی اسی انداز سے سوچے گا' اسے کیا پتہ کہ لوگوں کے دلوں میں کیسے کیسے فساد پڑے ہوئے ہیں' کسی کو اپنی چودھراہٹ کی فکر ہے' کسی کو اپنی سیادت کی فکر ہے' کسی کو اپنی گدی کی فکر ہے' کوئی مذہبی اور روحانی اعتبار سے لوگوں کا مقتدا اور پیشوا بنا بیٹھا ہے' اسے اس سے تشویش لاحق ہو گئی ہے۔ اب آپؐ کو کیا پتہ کہ کیا کیا چیزیں لوگوں کے پاؤں میں بیڑیاں بن کر پڑی ہوئی ہیں۔ ہر شریف آدمی اپنے بارے میں جو کچھ سوچتا ہے اسی پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے' لیکن دراصل بات کچھ اور ہے!

یہ بھی جان لیجئے کہ اس وقت دو گروہ تھے جو اَب سامنے آ گئے تھے' ایک تو مشرکینِ عرب' جن کو دعوت دیتے ہوئے سات آٹھ برس ہو چکے تھے' جبکہ دوسرا گروہ اہلِ کتاب کا تھا جن سے بالواسطہ معاملہ شروع ہو چکا تھا۔ حضور ﷺ کے دل میں یہ بات آئی ہوگی کہ اہلِ کتاب کو تو فوراً لپک کر میری تصدیق کرنی چاہئے۔ مشرکینِ مکّہ کے ہاں تو کوئی شریعت موجود نہیں تھی' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اُن کے ہاں کوئی نبی نہیں آیا تھا' دو ہزار برس بیت چکے تھے اور اس عرصے میں ان کے اندر بہت سی گمراہیاں پیدا ہو چکی تھیں' حالانکہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت ان کے لئے بھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔

بلا رہے ہیں''۔

آیت کے اس ٹکڑے پر گفتگو سے پہلے آیات زیر مطالعہ کے تاریخی پس منظر کو سامنے رکھنا بہت ضروری ہے۔ یہ مکی دور کی سورت ہے' لیکن مختلف احوال اور داخلی و خارجی شواہد سے اس سورۂ مبارکہ کا زمانۂ نزول سن ۸ نبوی کے آس پاس بنتا ہے۔

نزولِ قرآن کے ابتدائی چند سال تک تو حضور ﷺ کے مخاطب صرف مکّہ کے لوگ یا مشرکینِ عرب ہی رہے تھے' لیکن سن ۵' ۶ نبوی کے آس پاس یہ دعوت اب پھیل چکی تھی' اس کا چرچا ہو چکا تھا اور یہود کے ساتھ بھی اب بالواسطہ (indirect) معاملہ چل رہا تھا۔ قرآن میں ابھی خطاب یہودیوں سے ہوا تھا نہ عیسائیوں سے' لیکن اُن کو مسلسل خبریں مل رہی تھیں۔ یہودی منتظر بیٹھے تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے' لیکن وہ اس مغالطے میں تھے کہ وہ ہم میں سے ہوگا' حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر آج تک نبوت تو ہمارے خاندان بنی اسرائیل میں چلی آ رہی ہے' تو یہ کیسے باہر چلی جائے گی! لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو باہر جا رہی ہے تو ان میں اب غصہ بھی پیدا ہوا اور انہوں نے وہاں سے بیٹھ کر تار ہلانے شروع کیے۔ چنانچہ کبھی سوال بھجوا رہے ہیں کہ ذرا ان سے پوچھو رُوح کسے کہتے ہیں؟ اگر یہ نبی ہیں تو رُوح کی حقیقت بتائیں! ذرا ان سے پوچھو کہ اصحابِ کہف کون تھے؟ ان سے پوچھو ذوالقرنین کون تھا؟ اگر یہ نبی ہیں تو بتائیں! تو اب یہ وہاں سے بیٹھے مشرکین مکہ کے تار ہلا رہے تھے۔ اسی طرح ایک بالواسطہ معاملہ ان کے ساتھ شروع ہو چکا تھا' اگرچہ ابھی ان سے براہِ راست خطاب نہیں تھا۔

نبی اکرم ﷺ کو مکّہ مکرمہ میں دعوت دیتے ہوئے سات آٹھ سال گزر چکے تھے' لیکن ابھی اس دعوت کا بظاہر کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آ رہا تھا۔ ان حالات میں بربنائے طبع بشری حضور ﷺ کی طبیعت میں ایک فکر اور تشویش ابھر رہی تھی کہ کہیں اس میں میری کوئی کوتاہی تو نہیں ہے' میری طرف سے کوئی کمی تو نہیں رہ گئی ہے' میرے بیان میں کوئی ابہام تو نہیں ہے' میری ذات کے اندر تو کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جو اِس حقیقت

کے انکشاف میں آڑے آ گئی ہو؟ یہ احساسات ہر شریف اور بامروّت انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں مختلف پیرایوں میں حضور ﷺ کو تسلی دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپؐ نہ گھبرائیں' انہیں راہ راست پر لانے کی ذمہ داری آپ کی نہیں ہے' آپؐ پر صرف ابلاغ اور تبلیغ کی ذمہ داری ہے' ہم نے آپؐ کو داروغہ بنا کر نہیں بھیجا' انہیں زبردستی اسلام پر لے آنا آپؐ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور سیاقِ کلام پر غور کرتے ہوئے دیکھئے کہ یہاں اب کیا بات کہی جا رہی ہے۔ یہاں بھی وہی تسلی کا انداز ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ پریشان نہ ہوں' آپ تشویش میں مبتلا نہ ہوں' آپ رنج وصدمے سے دوچار نہ ہوں' یہ معاملہ درحقیقت اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ آپؐ اپنی شرافت کی بناء پر سمجھ رہے ہیں کہ سچی بات ہے' اسے قبول کیا جانا چاہئے۔ ہر سچا آدمی اسی انداز سے سوچے گا' اسے کیا پتہ کہ لوگوں کے دلوں میں کیسے کیسے فساد پڑے ہوئے ہیں' کسی کو اپنی چودھراہٹ کی فکر ہے' کسی کو اپنی سیادت کی فکر ہے' کسی کو اپنی گدی کی فکر ہے' کوئی مذہبی اور روحانی اعتبار سے لوگوں کا مقتدا اور پیشوا بنا بیٹھا ہے' اسے اس سے تشویش لاحق ہو گئی ہے۔ اب آپؐ کو کیا پتہ کہ کیا کیا چیزیں لوگوں کے پاؤں میں بیڑیاں بن کر پڑی ہوئی ہیں۔ ہر شریف آدمی اپنے بارے میں جو کچھ سوچتا ہے اسی پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے' لیکن دراصل بات کچھ اور ہے!

یہ بھی جان لیجئے کہ اس وقت دو گروہ تھے جو اَب سامنے آ گئے تھے' ایک تو مشرکینِ عرب' جن کو دعوت دیتے ہوئے سات آٹھ برس ہو چکے تھے' جبکہ دوسرا گروہ اہلِ کتاب کا تھا جن سے بالواسطہ معاملہ شروع ہو چکا تھا۔ حضور ﷺ کے دل میں یہ بات آئی ہوگی کہ اہلِ کتاب کو تو فوراً لپک کر میری تصدیق کرنی چاہئے۔ مشرکینِ مکّہ کے ہاں تو کوئی شریعت موجود نہیں تھی' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اُن کے ہاں کوئی نبی نہیں آیا تھا' دو ہزار برس بیت چکے تھے اور اس عرصے میں ان کے اندر بہت سی گمراہیاں پیدا ہو چکی تھیں' حالانکہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت ان کے لئے بھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔

الفاظِ قرآنی ﴿مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ﴾ کے مصداق آپ ﷺ ان کے سامنے ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہی کا طریقہ پیش کر رہے تھے' لیکن وقت کے دریا میں اتنا پانی بہہ چکا تھا کہ ان کو اگر اس میں استبعاد محسوس ہو رہا تھا تو یہ بات نا قابل فہم نہ تھی' لیکن اہلِ کتاب کے بارے میں آنحضور ﷺ یہ ضرور سوچتے ہوں گے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے! یہ تو انبیاء کے ماننے والے ہیں' موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے ماننے والے ہیں' قیامت کے ماننے والے ہیں' توحید کے دعوے دار ہیں (چاہے وہ شرک میں مبتلا تھے لیکن دعوے دار تو توحید ہی کے تھے) ان کے لئے تو آسمانی ہدایت کوئی انوکھی اور نئی بات نہیں' ان کے پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں' ویسی ہی ایک کتاب مجھ پر نازل ہو رہی ہے' میں نے ان کی کتابوں کی نفی نہیں کی ہے' قرآن ان کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے' پھر یہ قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

ان دونوں چیزوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب آیت کے اگلے الفاظ کا مطالعہ کیجئے۔ دیکھئے کس قدر تسلی آمیز انداز ہے: ﴿کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ﴾ ''(اے نبیؐ!) مشرکین پر تو بہت ہی بھاری ہے وہ چیز جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں''۔ خود حضور ﷺ کا بھی احساس یہی تھا کہ ان مشرکین کا معاملہ تو ''ضَلُّوْا ضَلٰلاً بَعِیْدًا'' والا ہو چکا' یہ تو گمراہی میں بہت دور چلے گئے' تین سو ساٹھ خداؤں کو ماننے والے' ان کے لئے تو واقعتاً یہ بات قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ ﷺ کو اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ ان میں کتنے ہوں گے جو اس بھاری پتھر کو چوم کر پیچھے ہٹ جاتے ہوں گے' جی چاہتا ہو گا کہ ایمان لے آئیں' لیکن پاؤں کی بیڑیاں آگے نہیں بڑھنے دیتی ہوں گی۔ ولید بن مغیرہ کا معاملہ یہ تھا کہ وہ بالکل قریب آ جاتا تھا جیسے کہ اب مانا کہ مانا' پھر واپس ہو جاتا تھا' پاؤں میں جو بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں وہ پھر کھینچ لیتی تھیں۔ تو ان میں سے کتنے ہی ایسے تھے کہ جو آتے تھے' پھر رہ جاتے تھے' اس لئے کہ یہ ان کے لئے بہت بھاری پتھر تھا۔ ان کی سیادتیں' قیادتیں' چودھراہٹیں اور ان کو جو مراعات حاصل تھیں وہ سب کی سب ان کے پاؤں میں بیڑیاں بن کر پڑی ہوئی

تھیں۔ پھر ان کی آباء پرستی اور روایت پرستی آڑے آتی تھیں کہ اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ کر کیسے چلے جائیں! تو فرمایا کہ اے نبیؐ! یہ آسان کام نہیں ہے۔ یہ ان پر بہت بھاری ہے۔

راہِ ہدایت پر آنے کے دو طریقے

اس سلسلے میں آگے جو دو باتیں آ رہی ہیں یہ حکمتِ قرآنی کا بہت اہم موضوع ہے۔ فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۞ ﴾

''اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو ادھر رجوع کرتا ہے''۔

یہ حق کی طرف آنے کے دو مختلف راستے ہیں۔ صوفیاء نے اس کے لئے مستقل اصطلاحات وضع کی ہیں: ''سالک مجذوب'' اور ''مجذوب سالک''۔ ایک وہ ہوتا ہے جسے اللہ پہلے کھینچ لیتا ہے اور پھر اس کی تربیت فرماتا ہے' اس کو راستے طے کراتا ہے۔ اور ایک وہ ہوتا ہے جو بے چارہ خود چل کر آتا ہے' قدم بقدم خود سفر طے کر کے آ رہا ہوتا ہے' وہ از خود دستک دے رہا ہوتا ہے کہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے کہ خوش آمدید! تم چل کر آئے ہو' تم نے محنت کی ہے' تم نے اس کے لئے قربانیاں دی ہیں! ان اصطلاحات کا انطباق کریں تو ''سالک مجذوب'' حضرت سلمان فارسی ﷺ ہیں اور ''مجذوب سالک'' حضرت عمر ﷺ ہیں' جو نکلے تو تھے قتل کرنے کے ارادے سے' اللہ نے کیا شکل پیدا کی کہ راستے ہی میں کھینچ لیا۔ یہ ہیں دو راستے! تو اے محمدؐ! آپ مطمئن رہئے! ان میں سے جسے ہم چاہیں گے کسی وقت کھینچ لیں گے۔ اور ان میں سے کوئی رفتہ رفتہ قدم بڑھاتے ہوئے آئے گا۔ ان کے اندر جو بھی کسی درجے میں بھی حق کا جویا اور متلاشی ہے اور ابھی وہ اپنی ہمت کو مجتمع نہیں کر پا رہا' ہم اس کو ہمت عطا فرما دیں گے۔ جس پر حق تو منکشف ہو گیا' آگے بڑھنا چاہتا ہے' لیکن ﴿مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کے مصداق اب برادریاں ہیں' رشتہ داریاں ہیں' تعلقات ہیں' دوستیاں ہیں' ساتھ

اٹھنا بیٹھنا ہے' پچیس پچیس برس' تیس تیس برس بیت گئے ہیں' اب ایک دم ان میں سے آدمی کیسے نکل آئے' جیسے کہ دودھ میں سے مکھی نکل آتی ہے' یہ بڑی مشکل بات ہے' بہت کٹھن مرحلہ ہے ان تمام بیڑیوں کو کاٹ کر نکل آنا۔ تو اس کے لئے اطمینان کے ساتھ منتظر رہئے۔ جس کو ہم چاہیں گے' جب چاہیں گے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیں گے اور پھر اُسے راستہ طے کرا دیں گے۔ اور جو کوئی ان میں سے ایسا ہے کہ جس پر حق منکشف ہو رہا ہے' طبیعت مائل ہو رہی ہے' اس کی بیڑیوں کو رفتہ رفتہ کاٹ دیں گے۔

اہلِ کتاب کی مخالفانہ روش کا اصل سبب

دوسرا گروہ اہل کتاب کا تھا' جس میں نصاریٰ بھی تھے اور یہودی بھی۔ یہ ایک ہی کتاب کے ماننے والے تھے' کم از کم Old Testament تو دونوں میں مشترک تھی' اختلاف تو صرف New Testament پر ہو سکتا ہے جو چھوٹی سی ہے۔ پھر یہ دونوں موسیٰ علیہ السلام اور شریعت موسوی کے ماننے والے تھے۔ عیسائیوں میں اگرچہ حضرت مسیحؑ کے بعد سینٹ پال نے شریعت ساقط کر دی تھی' لیکن اُس وقت جب قرآن نازل ہوا ابھی وہ لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے اس کو ساقط نہیں مانا تھا۔ اس کے بعد تو پھر سارے فرقے ختم ہوتے چلے گئے اور عیسائیت میں صرف پال کے ماننے والے ہی رہ گئے۔ اب جتنے عیسائی ہیں وہ اصل میں ''پالسٹ'' ہیں' کرسچین نہیں ہیں۔ وہ اگر اپنے لئے کرسچین کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو غلط کرتے ہیں۔ اب اہلِ کتاب کے ان دونوں گروہوں کے بارے میں اس حوالے سے تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ آپؐ کی بات کیا مانیں گے' ان کا تو آپس میں سر پھٹول ہے' اپنی سیادت و قیادت کا جھگڑا ان کو مل کر بیٹھنے نہیں دے رہا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ میں یہ ساری تفسیر تاویل خاص کے اعتبار سے کر رہا ہوں' یعنی جس ماحول میں یہ آیات نازل ہوئیں اس کے اعتبار سے ان کا مفہوم کیا ہے۔ اگرچہ ہم ان سے استنباط کریں گے' انہیں generalise بھی کریں گے کہ

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

بات وہی رہتی ہے' لیبلز بدلتے ہیں' آج آپ کو اپنے ہاں یہ سب مثالیں مل جائیں گی۔ آپ کے جو عوام کالانعام ہیں' ان کی اکثریت بدترین شرک کے اندر مبتلا ہے۔ ان کے لئے تو بڑا بھاری ہے اپنے عرس چھوڑ دینا' اور قبروں پر جا کر جو کچھ کر رہے ہیں اس کو چھوڑ دینا۔ یہ کوئی آسان کام ہے؟ یہ ان کا مکمل دین بنا ہوا ہے۔ پھر جو اس طرح کی خرافات میں مبتلا نہیں ہیں وہ آپس کے سر پھٹول کا شکار ہیں۔ تو آپ الفاظِ قرآنی کو ہر دور کے انسانوں پر منطبق کر سکتے ہیں' اس لئے کہ وہی ساری کیفیات رہیں گی' اس دنیا کی سٹیج پر ہر وقت وہی ایکٹرز رہیں گے' منافق بھی رہیں گے اور مؤمن صادق بھی رہیں گے۔ ہر چہ بادا باد والے بھی ہوں گے اور وہ بھی رہیں گے کہ جن کی گاڑی قدم قدم پر knocking کرتی ہے' جو مذبذب رہتے ہیں کہ چلیں کہ نہ چلیں؟ روشنی ہوئی تو کچھ چل لئے' تاریکی ہوگئی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے' اس لئے کہ اندر کا نور تو ہے ہی نہیں۔ اب یہ جو کیفیات اس وقت تھیں اب بھی ہیں۔ اسی طریقے سے جو مشرکین کی دُوری تھی وہ اب بھی ہے۔

باقی رہ گئے یہ اہلِ کتاب تو ان کے بارے میں جان لیجئے کہ ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ''انہوں نے جو تفرقہ کیا وہ اس کے بعد کیا کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' اور اس بناء پر کیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے''۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰي شَيْءٍ ۠ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ ''یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ہیں (ان کا کوئی مقام نہیں ہے' کوئی حیثیت نہیں ہے) اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے' جبکہ دونوں ایک ہی کتاب کے پڑھنے والے ہیں!'' ایک ہی کتاب پڑھتے ہیں اور پھر حال یہ ہے! البتہ مسلمانوں کے مقابلے میں آ کر وہ جمع ہو جاتے تھے' آپس میں جو سر پھٹول تھا وہ

اپنی جگہ برقرار تھا۔ ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى﴾ ''تم سمجھتے ہو (اے مسلمانو!) کہ یہ جمع ہیں' حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں''۔ یہ جمع کہاں ہیں! یہ تو صرف ''بغضِ معاویہ'' میں جمع ہوئے ہیں' ان کے مابین کوئی ''حُبِّ علی'' نہیں ہے جو ان کو جمع کر رہی ہے۔ ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ ان میں جو تفرقہ رونما ہوا وہ ان کے پاس علم کے آنے کے بعد ہوا۔ اب دیکھئے اس میں ایک لطیف بات سامنے آ گئی۔ ان مشرکین کے پاس تو علم آیا نہیں' اس لئے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد سے محمد رسول اللہ ﷺ تک کوئی نبوت نہیں' کوئی کتاب نہیں' کوئی شریعت نہیں۔ اور یہ جو اہل کتاب ہیں یہ تو علم کے ٹھیکے دار ہیں' ان میں ایک سے ایک بڑا علّامہ بیٹھا ہوا ہے' ان کے ہاں ایک سے ایک بڑا کتاب کا جاننے والا' ایک سے ایک بڑا قاری اور ایک سے ایک بڑا مفتی موجود ہے۔ پھر یہ تفرقہ کیوں ہے؟ تو معلوم ہوا کہ تفرقے کا سبب کچھ اور ہوتا ہے' لاعلمی نہیں ہوتی۔ یہ من جو پاپی ہوتا ہے' یہ کسی اور سبب سے ہوتا ہے۔ حق کو جاننے کے باوجود انسان اسے ٹھکراتا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ ہے ﴿بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾ یعنی آپس کی ضدم ضدا۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ ان کے تفرقہ کی وجہ آپس کی ضِدّم ضِدّا ہے کہ یہ کیوں آگے بڑھ جائے' میں کیوں پیچھے رہ جاؤں؟ اس میں کیا سرخاب کا پر ہے؟ ہماری سیادت و قیادت مسلّمہ ہے' لوگ آ کر ہمارے ہاتھ چومتے ہیں اور ہماری جوتیاں سیدھی کرتے ہیں۔ یہ کہاں سے آ گیا دین کا نام لینے والا اور دین کا علم بردار؟ یہ ہے اصل مسئلہ!

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ''اور اگر تیرے ربّ کی طرف سے ایک وقت معین کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا قضیہ چکا دیا جاتا''۔ یعنی ان یہود اور نصاریٰ کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا' لیکن فیصلہ کرنے کا ابھی یہ وقت نہیں ہے' ہم نے تو مہلتِ عمل دی ہوئی ہے' امتحان کا دور ہے' اس دنیا میں ہر شخص جو کماتا ہے کما لے' جسے خیر بنانا ہے خیر بنائے' جسے شر کی گٹھڑیاں باندھ کر اپنے سر پر اٹھانی ہیں وہ انہیں تیار کر لے۔ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ

عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ ''تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے''۔ لہٰذا یہ ہے وہ بات جس کی وجہ سے ہم نے انہیں چھوٹ دی ہوئی ہے' ورنہ ان کا قصہ ہم ابھی چکا دیتے۔

وارثینِ کتاب کا نقشہ

﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کتاب کے بارے میں بڑے اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں''۔ وہ ایسے شک میں پڑے ہیں کہ جو ان کے دلوں میں خلجان اور الجھن پیدا کر رہا ہے۔ یہ ایک بہت اہم مضمون ہے۔ دیکھئے' آپ کے علم میں ہو گا کہ شاہ اسماعیل شہید اور علّامہ فضل حق خیر آبادی کے مابین ایک خالص علمی بحث کا آغاز ہو گیا تھا اور اس میں ابتدال کسی طرف سے نہیں تھا' دونوں علم' منطق اور فلسفے کی تلواروں سے لڑ رہے تھے۔ لیکن اس کا نتیجہ دو نسلوں کے بعد کیا نکلا؟ یہ کہ آج آپ کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی ایک کثیر تعداد دین ہی سے برگشتہ ہو گئی ہے کہ یہ ان مولویوں کا حال ہے' یہ ان چیزوں پر لڑتے ہیں! ان کا قرآن ایک' ان کا رسول ایک' ان کا کعبہ ایک' اور پھر ان کے مابین سر پھٹول ہے' کفر کے فتوے ہیں! پھر یہ ہے ان کا حال جو ہو رہا ہے۔ اس سے ایک نتیجہ نئی نسل کے اندر دین ہی سے بے اعتباری کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ ہے وہ بات جو یہاں کہی گئی ہے۔ علماء جب اس کیفیت میں مبتلا نظر آتے ہیں اور جب وہ جغادری لوگ جو دین کے ٹھیکے دار اور دین کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں' ان کا حال یہ نظر آتا ہے تو اگلی نسل کے لوگ جو وارث ہوتے ہیں وہ کتاب ہی کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ قرآن تو کہتا ہے کہ یہ جمع کرنے والی شے ہے' مگر ہمارے یہ علماء قرآن پڑھتے ہیں اور پھٹے ہوئے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے' یہ نمازیں پڑھنے پڑھانے کے بہت پابند ہے مگر کردار ان کا یہ ہے! یہی چیز ہے جو لوگوں کو دین سے برگشتہ کر دیتی ہے اور لوگ خود کتاب اللہ ہی کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اے نبیؐ! جو آپؐ کے سامنے اہلِ کتاب ہیں' یہ بس نام کے اہل کتاب ہیں' ان سے آپؐ کوئی اچھی توقع نہ رکھئے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ﴾ ''آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے نہ یہود نہ نصاریٰ جب تک کہ آپؐ ان کے طریقے کی پیروی نہ کریں''۔ سارا جھگڑا تو یہ ہے۔ یہ کبھی نہیں مانیں گے' کبھی آپ سے راضی نہیں ہوں گے۔ یعنی آپؐ کو ان کی مخالفت کے علی الرغم آگے بڑھنا ہے۔ اس کے لئے آپ ذہناً تیار رہئے۔ اگر آپؐ ان سے کوئی امید وابستہ کرلیں گے تو ناامیدی ہوگی' صدمہ ہوگا۔ اور اگر آپؐ امید پہلے ہی منقطع کر دیں تو صدمہ نہیں ہوگا۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی!

جب توقّع ہی نہیں تو پھر صدمہ نہیں ہوگا' اعصاب پر تناؤ نہیں آئے گا۔ تو دراصل حضور ﷺ کو دونوں گروہوں کے بارے میں بتا دیا گیا۔ اس کی تاویل عام کے لئے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا' اس کا انطباق اور اطلاق آپ خود کر سکتے ہیں۔ یہ سارے کیریکٹر ہر دور میں موجود رہے ہیں اور ہمارا دور کوئی استثنائی دور نہیں ہے۔

آنحضور ﷺ سے خصوصی خطاب

اب چلئے' اس حال میں کرنا کیا ہے! فرمایا: ﴿فَلِذٰلِکَ فَادْعُ﴾ ''پس آپ اسی (دین) کی دعوت دیتے رہیں!'' اب دیکھئے' یہاں خطاب جمع کے صیغے سے نہیں ہے' واحد کے صیغے سے ہے۔ اس سے پہلے ایک فعل امر (اَقِیْمُوا الدِّیْنَ) اور ایک فعل نہی (وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ) جمع کے صیغے میں آ چکے ہیں۔ اس لئے کہ یہ کام ایک آدمی کے کرنے کا نہیں ہے' اس کے لئے مددگار درکار ہیں۔ اب آپ دیکھئے' یہ بھی ایک لطیف نکتہ ہے کہ صیغہ کیوں بدل گیا؟ وہاں جمع کیوں ہے اور یہاں واحد کیوں آ گیا؟ آپ یوں سمجھئے کہ یہ جو اب احکام آ رہے ہیں' یہ اصلاً حضور ﷺ کے لئے ہیں' اور تبعاً ہر اُس شخص کے لئے جو بھی تا قیامِ قیامت اُمت محمد میں سے اسی کام کو لے کر داعی کی حیثیت

سے اٹھے گا۔ اس داعی کو اس ساری صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کا سامنا جن لوگوں سے ہوگا ان میں اس اُمّت کے مشرکین بھی ہوں گے اور اس اُمّت کے یہود و نصاریٰ بھی ہوں گے۔ اور یہ یہود و مشرکین اس کی دشمنی میں اسی طرح شدید ترین ہوں گے جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا: ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ ''تم اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے''۔ چنانچہ تمام لوگوں میں سب سے شدید دشمن حضرت محمد ﷺ اور اس دین کے یہودی تھے' حالانکہ ان کو تو قریب ترین ہونا چاہئے تھا' اس لئے کہ ان کے ہاں علم کا چرچا تھا' ان کے ہاں فقہاء تھے' عالم تھے' قاضی تھے' مدینہ میں ان کی شرعی عدالتیں تھیں' لیکن بدترین دشمن وہ ہوئے' اور آج تک ہیں۔ تو ان حقائق کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ تو یہاں اب اصلاً خطاب ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے صیغہ واحد میں' اور تبعاً یہ خطاب ہر اُس شخص سے ہے جو بھی کبھی تا قیامِ قیامت اُمّتِ محمد ﷺ میں سے ایک داعی کی حیثیت سے اسی کام کا بیڑا اٹھا کر کھڑا ہوگا۔ کسے باشد۔

وہ خطاب کیا ہے: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ﴾ ''تو اسی کی دعوت دیتے رہو''۔ ''ذٰلِکَ'' اسم اشارہ ہے' اس کا مشار الیہ کیا ہے؟ ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ یعنی اقامتِ دین کی دعوت دیتے رہئے۔ آپ کم پر سودا نہ کیجئے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ دباؤ سے متاثر ہو کر مداہنت اختیار کر لیں۔ سورۃ القلم میں فرما دیا تھا: ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۞﴾ کہ اے نبیؐ! آپ ان جھٹلانے والوں کی باتوں میں نہ آیئے! یہ تو چاہتے ہیں کہ آپؐ ذرا ڈھیلے پڑیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں۔ They have tested your metal. وہ پوری طرح ٹھونک بجا کر آپؐ کو دیکھ چکے ہیں کہ آپؐ جھکنے والے نہیں ہیں' اور کسی تشدد' دباؤ یا کسی لالچ سے آپؐ کو جھکایا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا اب وہ پوری کوشش کریں گے کہ کوئی معاہدہ ہو جائے' کوئی لے دے کر صلح ہو جائے اور کچھ تو آپؐ کو اپنے مقام سے کھسکائیں۔ یہی بات سورۂ بنی اسرائیل (آیات ۷۳۔۷۵) میں بایں الفاظ فرمائی گئی:

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝﴾

''(اے نبی!) یہ تو اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ آپ کو بچلا کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے تاکہ آپ ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ لیں۔(اس سے کم پر کوئی مصالحت کر لیں' کچھ Give & Take کا معاملہ کر لیں) اور اگر آپ کہیں ایسا کر لیتے تو وہ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے''۔

اس طرح ان کا جھگڑا ختم ہو جاتا' اس لئے کہ ان کی اصل لڑائی تو اس قرآن سے ہے' آپؐ سے تو ان کی کوئی شخصی لڑائی نہیں ہے۔

﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝﴾

''اور اگر ہم نے ہی آپ کو جمائے نہ رکھا ہوتا تو بعید نہ تھا کہ آپ ان کی طرف کسی درجے میں جھک ہی جاتے''۔

﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝﴾

''اور اگر کہیں ایسا ہو جاتا تو پھر ہم آپ کو دوہری سزا دیتے دنیا کی اور دوہری سزا دیتے موت کی' پھر ہمارے مقابلے میں آپ کوئی مددگار نہ پاتے''۔

لہٰذا یہاں فرمایا: اے نبیؐ! ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ﴾ ''پس آپ اسی کی دعوت دیتے رہئے اور اسی پر مضبوطی سے ڈٹے رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے''۔ یہاں اب جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے وہ اقامت نہیں' استقامت ہے اور میں کہا کرتا ہوں کہ اس استقامت میں ایک قیامت مضمر ہے۔ آپ اپنی دعوت پر جمے رہیں' کوئی آپ کو ہلا نہ سکے' آپ کو اپنے موقف سے بال برابر اِدھر سے اُدھر منحرف نہ کر سکے' جھکا نہ سکے' مداہنت پر آمادہ نہ کر سکے' کسی معاملے میں نرم نہ کر سکے۔ آپ کی کیفیت یہ ہونی چاہئے جو ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ اور ﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ ایک چٹان ہے جس کو ہلایا نہیں جا سکتا' اس کو کہیں بھی جھکنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے اصل میں داعی کا مطلوبہ کردار۔

﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ ۚ ﴾ ''اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے''۔ اس کا کوئی سوال نہیں تھا کہ حضور ﷺ ان کی خواہشات کی پیروی کرتے' لیکن پھر بھی اصولی طور پر وارننگ دے دی گئی' اس لئے کہ یہ ہدایت صرف حضور ﷺ کے لئے نہیں' ہمارے لئے بھی تو یہی ہدایت ہے نا! حضور ﷺ کے لئے یہ چیز اگر خارج از بحث بھی ہو جائے تو بعد میں آنے والے کسی داعی کے لئے تو خارج از بحث نہیں ہے کہ وہ کسی مداہنت یا compromise پر آ جائے' کہیں کوئی شارٹ کٹ نکالنے پر آ جائے' کہیں اپنے اصولوں کے اندر کتر بیونت کرنے پر آ جائے' تو یہ اس کے لئے راہنمائی ہے۔ یہاں بھی ''اتباع'' کا لفظ آیا ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۰ میں آیا ہے: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ ان کی کیا ملت ہے! ان کی تو خواہشات ہیں' ملت تو یہ ہے' دین یہ ہے' حق یہ ہے جو آپؐ پر نازل ہوا ہے۔ اب اگر یہ آپؐ پر دباؤ ڈال رہے ہیں' آپ کو pressurize کر رہے ہیں تو کس چیز کی طرف؟ اپنی خواہشِ نفس کی طرف!

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ﴾ ''(ڈنکے کی چوٹ) کہہ دیجئے میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی''۔ یہاں یہ ''مِنْ'' تبعیضیہ نہیں ہے کہ کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتا ہوں' بلکہ یہ مِنْ بیانیہ ہے' یہ ''بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کا بیان ہے' یعنی وہ کتاب جو اللہ نے نازل فرمائی ہے' میرا ایمان تو اس پر ہے' میں اس پر ڈٹا ہوا ہوں' میں اس سے نہیں ہٹوں گا۔ اسی قرآن سے تو وہ آپ ﷺ کو بچلانے کی فکر میں تھے' اسی کے لئے وہ زور لگا رہے تھے' تاکہ آپؐ (معاذ اللہ) کوئی چیز اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیں۔ یہی بات سورۂ یونس (آیت ۱۵) میں بھی آئی کہ اے نبیؐ! وہ آپ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ﴾ ''اس کے بجائے کوئی اور قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کیجئے''۔ ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ﴾ ''کہہ دیجئے کہ میرے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کر لوں''۔ ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

اِلَیَّ ﴾ ''میں تو بس اُسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے''۔ میں تو خود وحیٔ الٰہی کا پابند ہوں۔ میں تو خود عبد ہوں' معبود تو نہیں ہوں' میں حاکم تو نہیں ہوں' میں تو اللہ کا محکوم ہوں' لہٰذا میں وحیٔ الٰہی میں ترمیم کیسے کر دوں؟ وہی بات یہاں فرمائی جا رہی ہے: ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ﴾ ''کہہ دیجئے میرا پختہ یقین ہے اس پر جو اللہ نے نازل فرمایا' یعنی کتاب''۔ البتہ اس کتاب میں قرآن بھی شامل ہے اور تورات اور دوسری آسمانی کتب کا وہ حصہ بھی شامل ہے جو وحیٔ الٰہی پر مشتمل ہے۔ ان سب پر ہمارا ایمان ہے' از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾۔

آنحضور ﷺ کی دعوت کا اصل ہدف

آگے فرمایا: ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ ''اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل کروں''۔ اس ضمن میں آپ کو متداول تفاسیر میں تھوڑا سا ابہام ملے گا۔ اکثر مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ ''لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ '' سے مراد یہود اور نصاریٰ کے مابین عدل ہے کہ ان کے جو تفرقے تھے ان میں کون کس معاملے میں حق پر ہے۔ یعنی مجھے حکم ہوا ہے کہ بجائے اس کے کہ میں تمہاری پیروی کروں' میں تو خود تمہارے معاملے میں عدل اور انصاف کرنے آیا ہوں۔ اس مفہوم کا تعلق آیت ماسبق (آیت ۱۴) سے جڑ جاتا ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ ﴾ کہ اگر ایک وقت معین نہ ہو گیا ہوتا اور بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ابھی ان کا قصہ چکا دیا جاتا۔ لیکن اے نبیؐ آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے مابین عدل کر سکتا ہوں' میں تمہیں بتاؤں گا کہ کیا درست ہے' کیا باطل ہے! یہود کس معاملے میں غلط چلے گئے ہیں اور نصاریٰ نے کس معاملے میں غلو کیا ہے' اُن کی گمراہی کیا ہے' تمہاری غلطی کیا ہے۔ تو اس مفہوم کے اندر بھی بالکل کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس ''عدل'' کا تعلق بھی اقامت دین سے ہے' کہ دین اس لئے آیا ہے کہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔

میں نے درس کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ سورۃ الشوریٰ اور سورۃ الحدید میں

گہری مماثلت ہے اور یہ کہ ''الکتاب'' اور ''المیزان'' کے دو الفاظ جمع ہو کر قرآن مجید میں صرف ان دو سورتوں میں آئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت (نمبر ۱۶) میں یہ الفاظ آ رہے ہیں: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ اور سورۃ الحدید (آیت ۲۵) میں ارشاد ہوا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔ ہم نے قرآن نازل کیا' دوسری کتابیں نازل کیں' رسول بھیجے' شریعتیں نازل کیں اور میزان اتاری ـــــ آخر کس لئے؟ اس لئے کہ اسے نصب کرو! دین اس لئے دیا کہ اسے قائم کرو! شریعت اس لئے دی کہ اسے نافذ کرو! حدود اس لئے دیں کہ ان کا اجراء کرو! اگر یہ نہیں کرتے ہو تو یہ سب کھیل ہے' تماشا ہے' hobby ہے' پیشہ ہے' کاروبار ہے! تو یہ سمجھ لیجئے کہ اقامت دین کا اصل مقصد اقامت عدل وقسط ہے۔ ﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ عدل پر کاربند ہوں'' اور اگر کوئی اس میں آڑے آتا ہے تو بگڑے تگڑوں کے علاج کے لئے ہم نے تلوار بھی اتاری ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ..... ﴾ چنانچہ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ﴾ کا مفہوم سمجھنے کے لئے سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ کو یہاں مندرج مانئے۔ یہ عدل صرف نصاریٰ اور یہود کے مابین نہیں ہے' یہ عدل تو طبقات کے مابین ہے' یہ عدل مرد اور عورت کے مابین ہے' یہ عدل جماعت اور فرد کے مابین ہے' یہ عدل اجتماعیت اور انفرادیت کے مابین ہے' یہ عدل سرمائے اور محنت کے مابین ہے' یہ عدل حکومت اور شہریوں کے مابین ہے۔ چنانچہ ہر اعتبار سے عدل وتوازن اور میزان کو نصب کرنے اور عدل وقسط کے نظام کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا اعلان یہ تھا کہ تم مجھے محض واعظ نہ سمجھو' میں تمہارے مابین عدل قائم کرنے کے لئے آیا ہوں۔

ایک واعظ کی دعوت اور رسول کی دعوت میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ وعظ کہنے والا وعظ کہتا ہے' لفاظی کے جوہر دکھاتا ہے' اپنے اسلوب بیان کا لوگوں کو نظارہ کراتا

ہے اور پھر وہ اپنا راستہ لیتا ہے۔ اگلی منزل پر پہنچ کر وہ پھر اپنا وعظ کہتا ہے۔ لوگ اس کی خوب آؤ بھگت کرتے ہیں' اس لئے کہ وہ لوگوں سے یہ نہیں کہتا کہ ٹھیک ہو جاؤ' اپنے سودی کاروبار چھوڑ دو! اگر یہ کہے گا تو اسے کون حلوہ کھلائے گا اور کون نذرانے پیش کرے گا؟ واعظ کا کام یہ ہے کہ بات کہی اور ''وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ'' پر ختم کر دی۔ اب تم جانو اور تمہارا کام' ہم تو جا رہے ہیں۔ لیکن نبی و رسول کی دعوت اور وہ دعوت جو علیٰ منہاج النبوۃ ہو گی وہ بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اس لئے کہ وہ تو عدل قائم کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں' جیسا کہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ (آیت ۱۳۵) ''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار' اللہ کے لئے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ!'' جبکہ سورۃ المائدۃ میں یہی بات ان الفاظ میں فرمائی گئی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (آیت ۸) بات ایک ہی ہے' ترتیب بدل گئی۔ مضمون وہی ہے' ترتیب عکسی ہو گئی۔

حجت بازی سے کنارہ کشی کا اصل الاصول

اب آگے خطاب کا جو انداز آ رہا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے جو دین کے خادم ہونے کے مدعی ہوں' بہت بڑا سبق ہے۔ ہم بچپن میں مٹھیوں پر مٹھیاں رکھ کر کھیل کھیلا کرتے تھے ''آم والے آم دے —— آم ہیں سرکار کے —— ہم بھی ہیں دربار کے''۔ تو اس جدوجہد میں ہم کوئی غیر تھوڑا ہی ہیں! تم دین کا کام کر رہے ہو تو ہم بھی کر رہے ہیں۔ دین کی خدمت تم بھی کر رہے ہو' ہم بھی کر رہے ہیں! تو اس کی نفی نہ کیجئے' اس کو recognize کیجئے کہ اگر تم بھی واقعتاً دین ہی کا کام کر رہے ہو تو ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ یہ انداز نہ ہو کہ تم کہاں سے دین کے نئے نویلے ٹھیکے دار آ گئے؟ یہ ضرور ہے کہ طریق کار میں اختلاف ہو سکتا ہے' لیکن اگر دین ہی کے لئے تم کام کر رہے ہو اور دین ہی کے لئے ہم کر رہے ہیں تو جھگڑا کاہے کا؟ تو فرمایا: ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ ''اللہ ہی ہمارا ربّ بھی ہے اور تمہارا ربّ بھی!'' ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ''ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال''۔ اگر

ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں تو ان کا وبال تم پر نہیں جائے گا اور تم اگر صحیح راستے پر ہو تو تمہارا اجر وثواب تمہی کو ملے گا' اس میں سے ہم حصہ نہیں بٹوا سکیں گے۔ ﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ''ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے''—— آپس میں کوئی دلیل بازی' کوئی جھگڑا' کوئی فساد' کوئی ایک دوسرے کو اڑنگا لگانا آخر کس لئے؟

اس آیت میں دعوت و اقامت دین کی جدوجہد کے لئے قائم ہونے والی جماعت یا تنظیم کے لئے یہ ہدایت ہے کہ اس مقصد کے لئے جو بھی دوسری ہم عصر دینی تنظیمیں اور تحریکیں کام کر رہی ہوں ان کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ قرآن حکیم کا اہم ترین مقام ہے۔ ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۫ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۫﴾ ''اللہ ہی ہمارا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے' ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں' ہمارے اور تمہارے مابین کوئی جھگڑا نہیں ہے''۔ تم جو محنت کر رہے ہو اگر صحیح ہے تو اس کا اجر وثواب تمہی کو ملے گا' ہم اس میں سے کچھ claim نہیں کر سکتے اور اگر ہم کوئی غلط کام کر رہے ہیں تو اس کا وبال ہم پر ہی آئے گا' تم پر نہیں جائے گا۔ تو جھگڑا کاہے کا ہے! یہ آپس کی حجت بازی' آپس میں سر پھٹول' آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریباں ہونا' آپس میں بحث وتکرار' آپس میں مناظرہ اور مجادلہ—— آخر اس کا کیا فائدہ!

﴿اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا﴾ ''اللہ ہمارے مابین جمعیت پیدا فرما دے گا''۔ عجیب نکتہ ہے کہ یہاں ''يَجْمَعُنَا'' نہیں فرمایا کہ ''اللہ ہمیں جمع کر دے گا''۔ اس مفہوم کے لئے یہاں ''بَيْنَنَا'' کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بلکہ ذرا سا فصل کر دیا کہ ﴿اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا﴾ ''اللہ ہمارے مابین جمعیت پیدا کر دے گا''۔ اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ ایک ہوتا ہے جماعتوں کا یا افراد کا جمع ہو جانا' متحد ہو جانا' جبکہ ایک ہوتا ہے کام کا کسی ایک کھاتے میں جمع ہوتے رہنا۔ اگر تم بھی دین کا کام کر رہے ہو اور ہم بھی کر رہے ہیں تو کام تو جمع ہو رہا ہے! مثال کے طور پر دیکھئے کہ اگر کوئی نوجوان

جماعت اسلامی یا اسلامی جمعیت طلبہ کے ذریعے دین کے قریب آ گیا اور کوئی دوسرا تبلیغی جماعت کے ذریعے دین کے قریب آ گیا تو دونوں صورتوں میں کام تو دین ہی کا ہوا۔ یہ جماعتیں اگر اتحاد نہ کریں' جمع نہ ہوں' پھر بھی کام تو جمع ہو رہا ہے۔ کم از کم اس بات کو اپنے ذہن میں رکھو تو باہم دست و گریبان ہونے میں وقت ضائع نہیں کرو گے۔ اگر ہمارا ہدف ایک ہے اور ہم ایک ہی منزل کی طرف جا رہے ہیں تو جتنا آگے بڑھیں گے قریب تر آئیں گے۔ بہت سی جماعتوں اور تنظیموں کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم دین کا کام کر رہے ہیں' ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم بھی دین کا کام کر رہے ہیں' تو ہدف تو ایک ہوا نا! تو فرض کیجئے اس وقت ہماری approaches مختلف ہیں' ہم مختلف راستوں سے اس ہدف پر جا رہے ہیں' لیکن اگر ہدف ایک ہے تو جتنا آگے بڑھیں گے' قریب تر ہوں گے یا بعید تر ہوں گے؟

اس کے لئے میں منیٰ اور عرفات کی مثال دیا کرتا ہوں۔ آپ اندازہ کریں کہ پچیس تیس لاکھ افراد منیٰ سے عرفات کی طرف move کر رہے ہیں۔ تقریباً چھ میل کا فاصلہ ہے اور وقت بڑا محدود ہے جس میں وہاں پہنچنا ہے۔ جو وہاں پہنچنے سے رہ گیا اس کا حج ہی رہ گیا۔ اس لئے کہ ((اَلْحَجُّ الْعَرَفَة)) حج تو نام ہی عرفہ کا ہے۔ کوئی اور چیز رہ جائے تو اس کی تلافی ہو سکتی ہے' لیکن عرفہ کا وقوف نہیں کیا تو حج ہی نہیں ہوا۔ اُس وقت کیا قیامت ہوتی ہے! یہی وجہ ہے کہ وہاں پر اب چھ چھ' آٹھ آٹھ سڑکیں بنا دی گئی ہیں جو مختلف راستوں سے جا رہی ہیں۔ کوئی اس پہاڑ کے اُدھر سے جا رہی ہے' کوئی اس پہاڑ کے اِدھر سے جا رہی ہے' کوئی اس پل کے نیچے سے نکل رہی ہے۔ پھر وہ سڑکیں بھی اتنی چوڑی چوڑی ہیں کہ فٹ بال کے گراؤنڈ معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے اوپر ایک اژدھام چل رہا ہے۔ قافلے رواں دواں ہیں۔ پیدل جانے والوں کے لئے الگ راستے مختص ہیں اور ٹریفک کے لئے الگ سڑکیں ہیں۔ جو قافلے پیدل جا رہے ہیں انہوں نے جھنڈے اٹھا رکھے ہیں تاکہ اس نشانی کو دیکھ کر اس قافلے کے لوگ جمع رہیں۔ تو اگرچہ وہ قافلے جدا ہیں' ان کے علَم جدا ہیں' سڑکیں جدا ہیں' لیکن

منزل سب کی ایک ہے۔ تو اس concept کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے کہ جھگڑا کاہے کا ہے' لڑائی کاہے کی ہے' دنگا فساد کی کیا ضرورت ہے۔ ﴿اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا﴾ ''اللہ ہمارے مابین جمعیت پیدا فرما دے گا''۔

﴿وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ۞﴾ ''اور اُسی کی طرف سب کو جانا ہے''۔ اگر ہم یہاں نہ بھی جمع ہوئے تو قیامت کے میدان میں تو جمع ہوں گے ہی! وہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ کیوں بے صبرے ہو رہے ہو؟ کیا ضروری ہے کہ سارے قضیے یہیں چکا دیئے جائیں۔ آخر میدانِ حشر میں بھی تو جمع ہوں گے۔ لوٹنا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہاں تو ہم جمع ہو کر ہی رہیں گے۔

تو اب یہ جمعیت کے تین درجے ہو گئے: (۱) ہم علیحدہ علیحدہ رہتے ہوئے اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں تو کام اسلام ہی کے حق میں جمع ہو رہا ہے۔ (۲) اگر ہم بھی آگے بڑھیں اور آپ بھی آگے بڑھیں' چاہے اپنے اپنے طریقہ کار پر بڑھیں' فاصلہ تو لازماً کم ہو گا اور کیا عجب کہ ہم physically بھی جمع ہو جائیں۔ (۳) اور یہاں جمع نہ ہوئے تو وہاں قیامت میں تو جمع ہونا ہی ہے۔ وہاں فیصلہ ہو جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا' کون واقعی اسی ہدف کو معین کر کے چل رہا تھا۔ تو بے صبری کی ضرورت نہیں۔ یہ تین آیات (۱۳۔۱۵) میرے نزدیک اقامت دین کے موضوع پر قرآن مجید کا ذروۂ سنام یعنی کلائمکس ہیں۔

☆ ☆ ☆

اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کی پرزور دعوت

اب ہم اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۴۷' ۴۸ کا مطالعہ کرتے ہیں جو اسی درس کا حصہ ہیں:

﴿اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ۞ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ

حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿﴾

ارشاد ہوا: ﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ﴾ ''لبیک کہو اپنے ربّ کی بات پر!'' یہاں پھر جمع کا صیغہ آ گیا ہے۔ ایک اہم بات نوٹ کر لیجئے کہ ۵۳ آیات پر مشتمل اس سورۂ مبارکہ میں' جو پانچ رکوعوں میں منقسم ہے' فعل امر جمع کے صیغے صرف ان ہی دو مقامات پر آئے ہیں۔ ابھی تک پوری سورت میں جمع کے صیغے میں اُمت یا مسلمانوں سے خطاب کے لئے صرف ایک امر اور ایک نہی آیا ہے۔ یعنی ﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ اب اِس امر ﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ﴾ کا تعلق اسی سے ہے۔ آپ نوٹ کیجئے کہ سورۃ الشوریٰ پوری کی پوری خبریہ کلام پر مشتمل ہے اور انشائیہ کلام اس پوری سورت میں صرف ان دو مقامات پر آیا ہے۔ جمع کے صیغے سے آیت ۱۳ میں ایک امر اور ایک نہی' اور یہاں آیت ۴۷ میں ایک امر۔ جبکہ حضور ﷺ کے لئے واحد کے صیغے سے آیت ۱۵ میں تین امر اور ایک نہی۔ یہ کل انشائیہ کلام ہے اس پوری سورت میں' باقی سارا کلام خبریہ ہے۔ لہٰذا ﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ﴾ کا تعلق اسی امر و نہی سے ہوگا: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ یہ ہے وہ قول' وہ پکار' وہ ذمہ داری جو تم پر عائد کی گئی ہے۔ اب فرمایا: لبیک کہو اپنے ربّ کی پکار پر! قبول کرو اپنے ربّ کی دعوت کو! استجابت اور اجابت دونوں کے معنی ایک ہیں۔ اللہ پکار رہا ہے' آؤ اس کی پکار پر لبیک کہو' آغاز کرو' بسم اللہ کرو' کھڑے نہ رہو' گومگو میں نہ رہو' تذبذب میں نہ رہو' تاخیر نہ کرو' معاملے کو تعویق میں نہ ڈالو۔ یہی تاخیر اور تعویق تباہ کن ہے۔ آخر تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ قدم بڑھاؤ' دعوت قبول کرو' لبیک کہو اپنے ربّ کی پکار پر!

دیکھئے' اس میں کہیں یہ حکم نہیں آیا کہ نماز پڑھو' یا روزہ رکھو' یا زکوٰۃ دو یا حج کرو! ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے' لیکن غور کیجئے کہ یہاں اِسْتَجِيْبُوْا کا معنی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ کون سی پکار ہے جس پر یہاں لبیک کہنے کی دعوت دی جا رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ پکار آیت ۱۳ میں ہمارے سامنے آ چکی: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾

کہ قائم کرو دین کو اور اس دین کے بارے میں یا اس دین کی اقامت کے بارے میں متفرق مت ہو! تفرقے' تفرقے میں فرق ہے' بازی بازی باریش بابا ہم بازی!

اب یہاں جو اپیل ہے اس کو صرف اپنے ان ظاہری کانوں سے نہیں' دل کے کانوں سے سنئے! اس کا مخاطب میں بھی ہوں' آپ بھی ہیں' ہر مسلمان ہے۔ فرمایا: ﴿اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ﴾ ''لبیک کہو اپنے ربّ کی پکار پر اس سے پہلے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آ دھمکے جس کے ٹلنے کی پھر کوئی صورت نہیں''۔ یہاں ترکیب دراصل یوں ہے: ''اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ مِنَ اللّٰہِ لَا مَرَدَّ لَہٗ'' لیکن قرآن کی اپنی ایک موسیقی اور اپنا ایک rhythm ہے جس میں الفاظ کا تقدیم و تاخیر کا معاملہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے حکم سے جب وہ دن آ دھمکے گا تو پھر کوئی اس کا لوٹانے والا نہیں ہوگا۔ وہ دن جب آ جائے گا تو لوٹایا نہیں جائے گا۔ سورۃ المنافقون کی آخری آیت میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور اللہ ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا کسی کو جب اُس (کی مہلت عمل پوری ہونے) کا وقت آ جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو''۔ آیت زیر مطالعہ میں ﴿یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ﴾ سے قیامت صغریٰ یعنی ہماری موت بھی مراد ہے اور قیامت کبریٰ بھی جس کو ہم یوم قیامت کہتے ہیں۔

﴿مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾﴾ ''نہیں ہوگی تمہارے لئے اُس دن کوئی جائے پناہ اور نہ کوئی تمہارے حال کو بدلنے والا ہوگا''۔ اُس دن تمہارے لئے کوئی ملجا' کوئی ماویٰ' کوئی ٹھکانہ' کوئی پناہ گاہ' کوئی جائے فرار نہیں ہوگی۔ ''ملجا'' کہتے ہیں جہاں آدمی جا کر کسی کی پناہ لے لیتا ہے۔ یہ لفظ ایک ماثور دعا میں بڑی عجیب شان سے آیا ہے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا ہوگا کہ بچے کو اگر ماں مار رہی ہو تو بچہ بھاگتا نہیں ہے' بلکہ ماں ہی سے لپٹتا ہے۔ ماں اگرچہ مار رہی ہے' لیکن وہ جائے کہاں! کس در پہ جائے؟ اس کا تو ملجا اور ماویٰ وہی ہے۔ تو حدیث میں الفاظ آئے ہیں: لَا مَلۡجَأَ مِنۡکَ وَلَا مَاۡوٰی اِلَّا اِلَیۡکَ۔ یعنی اے اللہ! تجھ سے بچ کر جائیں کہاں سوائے تیری ہی پناہ

میں آنے کے؟ تجھ سے کوئی جائے پناہ کہاں تلاش کی جاسکتی ہے؟ کوئی ملجا' کوئی ماویٰ' کوئی ٹھکانہ' کوئی پناہ گاہ تجھ سے بھاگ کر جانے کی نہیں ہے' سوائے اس کے کہ تیرے ہی دامن عفو کے اندر آ کر پناہ لیں!

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں!

کہاں جاؤں' کس دروازے پر دستک دوں؟ کوئی ہے ہی نہیں! تو یہ ہے وہ بات کہ ﴿ مَالَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ ﴾ اُس دن کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ٹھکانہ تو آج بھی کوئی نہیں ہے' لیکن آج کچھ سراب نظر آ رہے ہیں جو ہم نے خواہ مخواہ اپنے جی سے گھڑ لئے ہیں۔ کچھ شفاعت باطلہ کے تصورات ہیں' کچھ اور چیزوں کو ہم نے اپنے ذہنوں کے اندر پناہ گاہیں بنایا ہوا ہے۔ اُس روز حقیقت کھل جائے گی کہ ﴿مَالَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَالَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۞ ﴾ ''نکیر'' سے مراد ہے کوئی نکیر کرنے والا' کوئی انکار کرنے والا' کوئی پوچھ گچھ کرنے والا۔ آپ کے کسی پڑوسی کو پولیس پکڑ کر لے جائے تو آپ تھانے جا کر پوچھتے ہیں کہ بھئی اسے کیوں پکڑا ہے' کیا مسئلہ ہے' کیا معاملہ ہے؟ لیکن اُس روز تمہارا کوئی پوچھنے والا تک نہیں ہوگا۔ تمہارے حق میں کوئی کچھ کہنے والا' کوئی باز پرس کرنے والا' کوئی پوچھ گچھ کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔

رسول کی ذمہ داری صرف ابلاغ ہے

آگے فرمایا: ﴿ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ ''اب اگر یہ لوگ مُنہ موڑتے ہیں تو (اے نبیؐ!) ہم نے آپ کو اِن پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجا ہے''۔ اگر یہ سب کچھ سن کر پی جائیں' ہضم کر جائیں' ٹس سے مس نہ ہوں' تو بھی اے نبیؐ! آپ ملول نہ ہوں' غمگین نہ ہوں' ہم نے آپؐ کو اِن پر نگران بنا کر نہیں بھیجا' ہم نے آپؐ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا' ان کو اپنی جواب دہی خود کرنی ہوگی' آپؐ ان کی طرف سے مسئول نہیں ہیں۔ ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ ﴾ ''نہیں ہے آپؐ پر سوائے پہنچا دینے کی ذمہ داری''۔ آپ پر صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

آپؐ نے پہنچا دیا' حق ادا کر دیا' اب آپ بَری ہیں' کوئی مانے گا تو اپنے لئے' نہیں مانے گا تو اپنے لئے۔ جس نے خیر بنایا اپنے لئے اور جس نے شر کمایا اپنے لئے ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ہاں اگر ابلاغ کا حق آپؐ ادا نہ کریں تو آپؐ جواب دہ ہوں گے۔ آپؐ نے ابلاغ کا حق ادا کر دیا' آپؐ بَری الذمہ ہیں' اب ہر شخص کا اپنا معاملہ ہے' وہ اللہ کے ہاں جواب دہی کرے گا۔

اعراض کا اصل سبب۔ نقطۂ نظر کی غلطی

اس اعراض کا اصل سبب کیا ہے! آدمی اس طرف کیوں نہیں آتا؟ اس لئے کہ دنیا کی نعمتوں اور دنیا کی تکالیف کے بارے میں اس کے ذہن میں ایک غلط تصور بیٹھا ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا﴾ ''انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر پھول جاتا ہے''۔ جب ہم اسے اپنے خاص خزانۂ فضل سے کچھ رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں' فراوانی ہے' عیش ہے' آرام ہے' سکون ہے تو اترانے لگتا ہے' پھولے نہیں سماتا۔ ہم سے غافل ہو جاتا ہے' آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝﴾ ''اور اگر اپنے ہی کرتوتوں کی پاداش میں اس پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے تو پھر وہ انتہائی ناشکرا بن جاتا ہے''۔ پھر وہ انتہائی مایوس ہو کر رہ جاتا ہے' اس کی کمر ہمت ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ میں ایک مثال دیا کرتا ہوں' میں نے سنا تھا کہ یوپی کے مشرقی حصے پُرب کے لوگ جو پُربیے کہلاتے ہیں' کسی زمانے میں ان کے ہاں یہ رواج تھا کہ چوبیس گھنٹے میں صرف دوپہر کے وقت ایک ہی کھانا کھاتے تھے۔ اب آپ خود سمجھ لیجئے کہ صرف دوپہر کے وقت چوبیس گھنٹے کے لئے کھاتے تو خوب ٹھونس ٹھونس کر کھاتے تھے۔ لہٰذا شام تک تو پیٹ میں سخت گرانی رہتی تھی' اور اگلی صبح اٹھتے ہی سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ تو ان کے ہاں یہ محاورہ تھا ''آدھا دن دھاپت مرت' آدھا دن بھوکت مرت''۔ یعنی ایک عذاب ہے کہ آدھا دن تو شکم سیری سے مر رہے ہیں' اس سے پیٹ میں ایک

بے چینی ہے' گرانی ہے اور آدھا دن بھوک سے مر رہے ہیں۔ صبح سے جو بھوک لگنی شروع ہوئی تو دو پہر تک برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔ تو یہی حال ہے کہ کثرت ہوئی تو مرت اور تکلیف آ گئی تو مرت۔ نہ اِدھر کام کے رہے نہ اُدھر کام کے رہے۔ فراوانی ہوئی تو غافل ہو گئے' اترا رہے ہیں' اکڑ رہے ہیں' دندنا رہے ہیں اور کہیں مصیبت آ گئی تو ناشکری پر اتر آئے ہیں کہ کیا کریں جی' ہمارے تو یہ مسائل ہیں' ہمارا تو معاش کا معاملہ ہے' ہم کیا کریں' ہم دین کا کام کیسے کر سکتے ہیں! یہ ہے اصل میں اس نقطۂ نظر کی غلطی۔ صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ سب امتحان ہیں' آزمائشیں ہیں' ہمت کرو' بسم اللہ کرو' قدم بڑھاؤ' اللہ آسانی کرے گا' تیسیر کرے گا۔ وہ تمہیں وہاں سے دے گا جہاں سے تمہیں گمان تک نہیں' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾۔ اور اگر اپنے حالات کو دلیل کے طور پر اپنے سامنے رکھ کر کھڑے رہ گئے تو پھر کھڑے رہ گئے! پھر تو آپ خس و خاشاک کی مانند ہوا میں اڑ گئے یا پانی میں بہہ گئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس سے بچائے!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

داعی و مؤسس تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد**

ختم نبوت کے دو مفہوم

اور

تکمیل رسالت کے عملی تقاضے

کل صفحات 48 ' قیمت 12 روپے

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی 36- کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

مختصر حالات اور فضائل ومناقب

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

آپ کا نام عبداللہ' کنیت ابوبکر تھی' جبکہ صدیق اور عتیق لقب تھے۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ یہ وہی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب فتح مکہ کے بعد اپنے بیٹے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قبول اسلام کے لئے حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ابوبکر انہیں کیوں تکلیف دی' میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے لمبی عمر پائی اور ۹۷ سال کی عمر میں ۱۴ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی وفات سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رحلت فرما چکے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ دیانت و امانت اور راست بازی آپ کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ آپ مکہ کے خوشحال تاجر تھے۔ مسلّمہ منکرات سے ہمیشہ دور رہے' اسی لئے شراب نوشی سے بھی نفرت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اکثر میل جول رہتا' بلکہ بعض تجارتی سفروں میں آپؐ کے ہم رکاب رہے۔

جب آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت سے سرفراز کیا گیا اور آپؐ نے اپنے رفیقِ خاص ابوبکر سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ اسی وقت بلا تامل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میل جول نے پہلے ہی آپ کو ان کے اخلاق کا گرویدہ بنا رکھا تھا' چنانچہ آپ نے قبول اسلام میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا۔ آزاد مَردوں میں آپ سب سے پہلے شخص تھے جو ایمان لائے۔ اب رسول اللہ ﷺ کا آپؓ کے گھر آنا جانا معمول بن گیا اور دوستی مزید پختہ ہوگئی۔

شروع میں اسلام قبول کرنے والے اکثر افراد نادار، مفلس اور غلام ہوتے تھے۔ چنانچہ ان بے بس غلاموں کی آزادی پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بے دریغ مال لٹانا شروع کیا۔ بلالؓ اور عامرؓ بن فہیرہ کو ان کے ظالم مالکوں سے آپ ہی نے نجات دلائی۔

جب مکہ میں قریش نے اسلام قبول کرنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو انہیں اوّلاً حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ مسلمان ایک ایک، دو دو کر کے مدینہ روانہ ہو رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت چاہی مگر رسول اللہ ﷺ نے روک دیا۔ آخر جس دن آپؐ کو ہجرت کے لئے اذنِ الٰہی ہوا آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیا اور رات کی تاریکی میں ہجرت کا یہ سفر اختیار کیا۔ غارِ ثور پہلی پناہ گاہ ثابت ہوئی۔ دونوں دوست غار کے اندر داخل ہو گئے۔ ابوبکرؓ نے غار کو صاف کیا اور تمام سوراخ بند کئے۔ ایک سوراخ جو رہ گیا اس پر آپؓ نے اپنی ایڑی رکھ دی۔ اسی سوراخ سے سانپ نے آپؓ کو ڈس لیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ آپؓ کے زانو پر سر رکھے محوِ استراحت تھے۔ درد کی شدت سے آپؓ کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے۔ آنسو کا ایک قطرہ حضور ﷺ کے چہرۂ انور پر گرا تو آپؐ بیدار ہوئے۔ پوچھا، کیا ہوا۔ آپؓ نے بتایا کہ سانپ نے ڈس لیا ہے۔ آپؐ نے اسی وقت لعابِ دہن متاثرہ ایڑی پر لگا دیا جس سے درد رفع ہو گیا۔ اس قیام نے آپ کو 'یارِ غار' بنا دیا اور آج یہ لفظ ہر جگری دوست کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔

اِدھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا علم ہوا تو گرفتاری کے لئے سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ کئی دشمن تلاش میں نکلے، مگر سب ہی خائب و خاسر رہے۔ تین دن غار میں گزارنے کے بعد یہ کارواں آگے روانہ ہوا۔ راستے میں جو آدمی ملتا تو پوچھتا، یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپؐ جواب دیتے یہ میرے راہ نما ہیں۔ چلتے چلتے نبوت کے چودھویں سال ربیع الاول کی بارہ تاریخ آپ مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ چند روز قبا میں قیام کیا اور پھر مدینہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت اہل مدینہ کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا کہ انصار پھولے نہیں سما رہے تھے۔

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے بے سروسامان مہاجرین کے ایک ایک فرد کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اسے مواخات کہتے ہیں۔ ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ نصرت اور ایثار کی وہ رسم ڈالی کہ تاریخ انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس رشتہ مواخات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خارجہ بن زہیر رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا گیا' جو مدینہ کے ایک معروف آدمی تھے۔ مدینہ میں اوّلین کام ایک مسجد کی تعمیر تھا جہاں اجتماعی عبادت بھی ہو اور وہ جگہ مشاورت اور تعلیم کے لئے بھی استعمال ہو۔ جو زمین اس مقصد کے لئے منتخب کی گئی' اس کی قیمت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ بعدازاں جب مسجد کی تعمیر کا مرحلہ آیا تو جہاں دوسرے مسلمانوں نے گرم جوشی دکھائی وہاں خود رسول اللہ ﷺ نے اور یارِ غار نے بھی مزدوروں کی طرح کام کیا۔

رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا۔ اس میں دیگر جاں نثاروں کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو تیغ بکف آنحضور ﷺ کا دفاع کرتے رہے۔ اس جنگ میں ۳۱۳ مجاہدوں نے اپنے سے تین گنا مسلح اور تیار جنگجوؤں کو شکست فاش دی۔ کفار کے ستر افراد جن میں اکثر سردار تھے' مسلمانوں کی قید میں آئے۔ ان کے بارے میں مشاورت کی گئی تو فدیہ کی ادائیگی پر ان کو چھوڑنے کا فیصلہ ہوا۔ اکثر صحابہ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔

اگلے سال معرکہ اُحد پیش آیا۔ اس میں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ پہاڑی درہ میں متعین تیراندازوں نے جب اپنی جگہ چھوڑی تو قریشی جنگجوؤں نے اچانک ادھر سے حملہ کر دیا جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ ایک بھگدڑ مچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے دندانِ مبارک زخمی ہوئے۔ یہ بھی مشہور ہو گیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ ایسے موقعہ پر بھی حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ بلند آواز سے پکارتے رہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں۔ جنگ کے خاتمہ پر جس جماعت نے بھاگتے ہوئے کفار کا تعاقب کیا ان میں ابوبکرؓ بھی شامل تھے۔ معرکہ احد کے بعد پیش آنے والے تمام معرکوں میں بھی ابوبکرؓ دیگر مجاہدین کے ساتھ برابر شریک رہے۔

۶ھ میں جب مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے تو کفار قریش مزاحم ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا۔ بات چیت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا گیا۔ اسی اثناء میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے تمام جاں نثاروں سے جہاد پر بیعت لی۔ اس بیعت کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الفتح میں ہوا ہے۔ اسے بیعت رضوان کا نام دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شامل تمام افراد کو جنہوں نے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی' اپنی رضامندی کی سند دی۔ اس بیعت میں دیگر خوش نصیبوں کے ساتھ ابوبکر بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہ

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے قریش کی عہد شکنی کے سبب مکہ فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ دس ہزار صحابہ کی جماعت آپؐ کے ہمراہ تھی۔ مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے والی قدسی صفات کی حامل اس جماعت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اسی موقعہ پر آپؓ کے والد ابوقحافہ نے اسلام قبول کیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ فتح مکہ سے واپسی پر بنو ہوازن سے جنگ ہوئی جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

آپؓ کی سیرت و کردار میں انفاق فی سبیل اللہ کا بے مثال واقعہ غزوۂ تبوک کی تیاری کے موقعہ پر پیش آیا' جب رسول اللہ ﷺ کی ترغیب پر آپ اپنے گھر گئے اور گھر کا کل اثاثہ لا کر آنحضرت ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ ابوبکر گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو عرض کیا کہ گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ علامہ اقبال نے اس کیفیت کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدّیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس!

اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل ایسا تھا کہ آپ فی سبیل اللہ انفاق کرنے والوں کے سرخیل ٹھہرے۔

۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ اسی موقع پر سورۂ توبہ کی آیات نازل ہوئیں جن کا اعلان حج کے موقعہ پر کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے ان آیات کے اعلان کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا آپ کو امارتِ حج کی ذمہ داری سونپی گئی ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ نہیں' امیر حج تو آپ ہی ہیں البتہ مجھے حج کے موقع پر سورۂ توبہ کی آیات سنانے کے لئے خصوصی طور پر بھیجا گیا ہے۔

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجتہ الوداع کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ جاں نثار صحابہ کثیر تعداد میں آپؐ کے ہمراہ تھے۔ اس موقع پر میدانِ عرفات میں آپؐ نے جو خطبہ دیا وہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ دیگر پند و نصائح کے علاوہ آپ ﷺ نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا کہ اگلے سال پھر یہاں تم سے ملاقات ہو۔ پھر واپسی پر آپؐ نے فرمایا: اللہ نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی۔ یہ سن کر ابوبکر رونے لگے کیونکہ وہ آپ کا اشارہ سمجھ رہے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ علیل ہو گئے۔ جسمانی کمزوری بڑھتی گئی۔ جب آپ ﷺ مسجد تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسجد نبوی میں امامت کرائیں۔ تعمیل ارشاد میں آپؓ نماز پڑھانے لگے۔ اس طرح آپؓ نے آنحضرت ﷺ کے حین حیات سترہ نمازوں کی امامت کرائی۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر آنحضرت ﷺ نے وفات پائی۔ اس دن آپؐ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھاتے دیکھا' خوش ہوئے اور مسکرائے۔ نماز کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر مکہ سے باہر گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غم واندوہ سے برا حال تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو کسی کی زبان سے آنحضرت ﷺ کے انتقال کی خبر سننا گوارا نہ تھا' وہ تو آپ کی رحلت ہی کا انکار کر رہے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ''جو کوئی محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو

(وہ جان لے کہ) بے شک محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو (وہ خاطر جمع رکھے کہ) اللہ تعالیٰ بے شک زندہ ہے' کبھی نہ مرے گا۔'' آپؓ کی یہ پرتاثیر گفتگو سن کر حاضرین کو اطمینان ہو گیا اور انہوں نے اس صدمے کی برداشت کا حوصلہ پایا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا جسے منافقین نے فتنہ بنانا چاہا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہلے انصار اکٹھے ہوئے' بعدازاں مہاجرین بھی پہنچ گئے۔ اب ان دونوں میں اختلاف ہوا۔ قریب تھا کہ معاملہ خطرناک صورت اختیار کر لے کیونکہ انصار کا اصرار تھا کہ ایک خلیفہ انصار سے ہو اور ایک مہاجرین سے۔ اسی اثناء میں ابوبکرؓ اور عمرؓ وہاں پہنچ گئے۔ ابوبکرؓ نے صورت حال دیکھ کر فیصلہ کن انداز میں فرمایا کہ خلیفہ تو قریش میں سے ہی ہو گا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا :((الائمةُ مِنْ قُرَیش)) یہ ابوعبیدہ اور عمر ہیں' جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔ اس پر عمرؓ اٹھے اور کہا اس وقت سب لوگوں سے بہتر اور رسول اللہ ﷺ کے پیارے ابوبکر ہی ہیں' میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہوں۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور لوگ اسی وقت آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے لپکے۔ اگلے دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نے پہلا خطبہ خلافت دیا جو تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

آپ کی خلافت کا دور سوا دو سال ہے مگر اس مختصر عرصے میں آپ نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی بنیاد رکھ دی۔ رسول اللہ ﷺ اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری ایام میں نوعمر اسامہؓ کی سرکردگی میں مجاہدین کو شام کی طرف لشکر کشی کا حکم دے چکے تھے۔ اب حالات تبدیل ہوئے تو لوگوں نے آپؓ کو مشورہ دیا کہ اندرونی اور بیرونی خطرات درپیش ہیں اس لئے اس لشکر کی روانگی مؤخر کر دینی چاہئے۔ مگر آپؓ نے جواب دیا کہ جس لشکر کو حضور ﷺ کوچ کا حکم دے چکے ہیں' ابوبکر کون ہوتا ہے کہ اس کو روک لے؟ اسی طرح کچھ لوگ نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے۔ آپؓ نے ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا اور ان کا قلع قمع کر دیا۔

کچھ لوگوں نے زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیتے ہوئے اس کی ادائیگی سے انکار کیا۔ آپؓ نے ان کے خلاف بھی کارروائی کا ارادہ کیا۔ بعض صحابہؓ نے مصلحتاً مشورہ دیا کہ یہ کلمہ گو مسلمان ہیں' صرف زکوٰۃ ہی کا تو انکار کر رہے ہیں' اس لئے بحالاتِ موجودہ ان کے خلاف سخت رویہ نہیں اپنانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے تھی۔ مگر ابوبکرؓ قائل نہ ہوئے اور ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ اس سخت رویئے کا اثر یہ ہوا کہ زکوٰۃ روکنے والے خود ہی زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو گئے۔

نبوت کا دعویٰ کرنے والوں اور مرتدین کے خلاف آپؓ نے مسلح کارروائی کی جس کے نتیجہ میں یمامہ کی خونریز جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں بہت سے وہ صحابی شہید ہو گئے جو حافظ قرآن تھے۔ حضرت عمرؓ نے صورت حال کی سنگینی کا جائزہ لیتے ہوئے مشورہ دیا کہ قرآن کے عالموں کی اس طرح شہادت کے نتیجہ میں قرآن کے بہت سے اجزاء ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے قرآن مجید کو یکجا کر کے ترتیب کے مطابق جمع کر لینا چاہئے۔ اوّل اوّل تو ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر عذر کیا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں' مگر حضرت عمرؓ کے اصرار پر آپ قائل ہو گئے اور حضرت زید بن ثابتؓ کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کمال حزم و احتیاط کے ساتھ قرآن کے متفرق اجزاء کو یکجا کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حضرت زید بن ثابت کی سرکردگی میں جمع ہونے والا یہ نسخہ بعد ازاں حضرت عمرؓ کے پاس رہا' جنہوں نے اسے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور میں اسی نسخہ کی نقول تیار کرائیں اور انہیں عام کیا۔

آپ کی خلافت کے مختصر دور میں عراق اور شام کے خلاف جنگیں لڑی گئیں جن میں دیگر سپہ سالاروں کے علاوہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے شاندار کارنامے انجام دیئے۔ ان معرکوں میں بھاری مقدار میں مال غنیمت ہاتھ لگا۔ عراق اور شام کے علاوہ کئی دوسرے علاقے بھی اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے۔

خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالے ابھی صرف سوا دو سال ہوئے تھے اور عمر ۶۳

سال تھی کہ دار فانی سے رحلت کا وقت آ گیا۔ صحابہ کو بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کے بارے میں رائے لی۔ کچھ صاحبان نے ان کی طبیعت کی سختی کا ذکر کیا تو کہا کہ خلافت کی ذمہ داری اس کو خود ہی نرم کر دے گی۔ چنانچہ عمرؓ کے حق میں عہد نامہ خلافت تحریر کرا دیا۔ جب خود مسجد نہ جا سکے تو امامت کی ذمہ داری حضرت عمرؓ کے سپرد کر دی۔ جمادی الاوّل ۱۳ھ کو آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ غسل آپ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دیا۔ آپؓ کی وصیت کے مطابق پرانے کپڑے ہی دھو کر آپؓ کے کفن میں استعمال کئے۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کے آپ یارِ غار تھے۔ اکثر اکٹھے رہتے۔ ایک دوسرے کے گھر اکثر آیا جایا کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کو آپؓ پر بہت اعتماد تھا۔ پوشیدہ سے پوشیدہ بات بھی وہ آپؓ سے کر لیا کرتے۔ سفر ہجرت جو انتہائی راز داری کے ساتھ ہو رہا تھا اس میں خانہ صدیق کے افراد ہی ہم راز تھے۔ آپؓ خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے۔ آپؓ کا بیٹا عبداللہ رات کے وقت آ کر حالات سے باخبر کرتا۔ آپؓ کا خادم عامر بن فہیرہ روزانہ دودھ مہیا کرنے کے لئے بکریاں لے کر آتا اور آپ کی بیٹی اسماء (رضی اللہ عنہا) کھانا تیار کر کے بھیجتیں۔

بارگاہِ نبوت میں آپ کا تقرب سب سے زیادہ تھا۔ جو بات کوئی شخص آپ ﷺ سے نہیں کر سکتا تھا' وہ ابوبکر کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں عمرو بن ہشام کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو اس بات کو پسند نہ کیا۔ اسی دوران حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ کو ناراض پایا۔ اس پر وہ باہر چلے گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ابوبکرؓ کو دیکھا تو چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر حضرت علیؓ نے جگر گوشہ رسولؐ کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کا پیغام دیا مگر ابوبکرؓ خاموش

رہے۔ بعدازاں جب وہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو آپؓ نے حضرت عمرؓ پر واضح کیا کہ آپ کو اس وقت میری خاموشی ضرور ناگوار محسوس ہوئی ہوگی مگر میں رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے مجھ پر احسان کیا' میں نے اس کا بدلہ اتار دیا سوائے ابوبکرؓ کے کہ اس کے احسان کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی چکائے گا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد کے احاطہ میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں مگر ابوبکرؓ کا دروازہ کھلا رہے۔ ایک شخص کے پوچھنے پر کہ یا رسول اللہؐ آپ کے نزدیک مردوں میں سب سے زیادہ محبوب شخصیت کون سی ہے' آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ۔

اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو فراست' ذہانت اور نورِ بصیرت سے نوازا تھا۔ خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت خوب رکھتے تھے۔ لوگ آپؓ کے پاس اپنے خواب بیان کرتے اور ان کی تعبیر پوچھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مستعار کے آخری دنوں میں حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا کہ ان کے حجرے میں تین چاند اترے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کی تعبیر پوچھی تو وہ خاموش رہے۔ بعدازاں جب رسول اللہ ﷺ رحلت کے بعد حجرۂ عائشہؓ میں دفن ہوئے تو آپؓ نے فرمایا: عائشہؓ یہ پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے جو تیرے حجرہ میں اترا ہے۔

آپ گفتگو میں بہت محتاط تھے۔ سمجھتے تھے کہ زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ پر بازپرس ہو سکتی ہے لہٰذا بات سوچ سمجھ کر کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس سفر و حضر کے ساتھی سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔

رزقِ حلال کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؓ کا غلام کھانے کی کوئی چیز لایا۔ خلاف معمول آپؓ نے کھانے سے پہلے نہ پوچھا کہ کہاں سے لائے ہو۔ بعدازاں احساس ہوا تو پوچھنے پر غلام نے بتایا کہ ایام جاہلیت میں میں نے کسی کی جھوٹ موٹ فال نکالی تھی' آج اس شخص نے اسی کے صلہ میں یہ چیز دی۔ یہ سن کر آپؓ نے اپنے منہ میں انگلی ڈالی اور سب کھایا ہوا قے کر دیا۔

نام ونمود، ریاکاری اور دنیا طلبی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ امارت کو بہت بڑی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کہا نصیحت فرمایئے' تو کہنے لگے تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ نماز پڑھو' روزے رکھو' زکوٰۃ دیتے رہو اور حج کرو۔ نیز سب سے بڑھ کر یہ کہ کبھی امارت قبول نہ کرنا۔ دنیا میں امیر کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔ قیامت کے روز اس کی باز پرس نہایت سخت ہوگی۔

ساری زندگی اپنا مال اللہ کی راہ میں لٹاتے رہے جس میں غلاموں کی آزادی' غریبوں اور مسکینوں کی مالی امداد اور جہاد کی تیاری میں بے دریغ خرچ کرنا شامل ہے۔ خلافت کے دوران حال یہ ہوگیا کہ بیت المال کے مقروض ہو گئے۔ وفات کے وقت وصیت کی کہ سب سے پہلے میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض اتارنا' پھر بیت المال کی جو بھی چیز گھر میں نظر آئے حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دینا۔ زندگی میں مستحقین کی امداد اس طرح کثرت سے کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

آپ تجارت پیشہ اور خوشحال سوداگر تھے۔ دور دراز کے تجارتی سفر بھی اختیار کئے اور خوب کمایا۔ قبول اسلام کے بعد انفاق فی سبیل اللہ بھی دل کھول کر کیا۔ خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد بھی کاروبار جاری رکھنا چاہا مگر اس سے عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں رکاوٹ آتی تھی۔ چنانچہ کاروبار چھوڑ دیا اور ہمہ تن عوام کی خدمت میں لگ گئے۔ گزراوقات کے لئے معمولی سا وظیفہ بیت المال سے لینا قبول کیا۔ وظیفے کی یہ رقم اتنی کم تھی کہ گھر کے بنیادی اخراجات مشکل سے پورے ہوتے تھے۔

آپؓ انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ تکلفات سے نفرت تھی۔ سادہ لباس اور سادہ سا کھانا پسند کرتے اور جوں جوں زندگی آگے بڑھتی گئی اس سادگی میں اور اضافہ ہوتا گیا' یہاں تک کہ نئے کپڑے کا کفن بھی گوارا نہ کیا بلکہ وصیت کی کہ مجھے پرانے کپڑوں ہی میں کفنا دینا' نیا کپڑا کسی زندہ کے کام آجائے گا۔

آپؓ نہایت منکسر المزاج انسان تھے۔ خاکسارانہ رویہ اور تواضع پسند تھی۔ اپنے

(باقی صفحہ 56 پر)

جھوٹ کی مذمّت

خطاب: مولانا ابوکلیم مقصود الحسن الفیضی

تسوید و ترتیب: اُمِّ عکاشہ بریرہ شبیر

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات:

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾ (بنی اسراء یل:٣٦)

''اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت زبان ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ﴾ (البلد:٨'٩)

''کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟''

زبان اللہ تبارک و تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ذرا اس شخص کے متعلق تصور کریں جس کے مُنہ میں زبان تو ہو مگر وہ بات نہ کرسکتا ہو۔ وہ اگر اپنی بات کسی کو کہنا چاہے تو اسے کتنی دشواری اور کتنی پریشانی ہوگی؟ خاص طور پر ایسے وقت میں جب اس کے اوپر کوئی مصیبت یا پریشانی ہو، وہ آپ سے مدد چاہتا ہو یا فوری طور پر آپ سے کوئی تعاون چاہتا ہو اور وہ اپنی بات آپ تک نہ پہنچا سکتا ہو، اُس وقت اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی!

معلوم ہوا کہ زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن بدقسمتی سے جس طریقے

سے اللہ کی دوسری نعمتوں کو ہم اور آپ غلط استعمال کر رہے ہیں اسی طریقے سے زبان کی نعمت کا استعمال بھی صحیح طور پر کم اور غلط و ناجائز طور پر زیادہ کر رہے ہیں۔

میں یہاں ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دفعہ کسی قاضی کے پاس ایک مقدمہ آیا۔ ظاہر بات ہے جب قاضی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرے گا تو کوئی اس فیصلے سے ناراض ہوگا اور کوئی راضی۔ فیصلہ لازماً ایک کے خلاف تو ضرور ہوگا اور دوسرے کے موافق' لہٰذا جس کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ یقیناً ناراض ہوگا۔ قاضی نے جب فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ کہنے لگا: ''آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اُس میں انصاف کو سامنے نہیں رکھا''۔ اس پر قاضی نے کہا: اللہ کے بندے! قسم ہے خدا کی' چالیس سال سے میں نے اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالی جس کے بارے میں پہلے سے نہ سوچا ہو کہ خدا کے سامنے کیا جواب دینا ہے۔ یہ ہے زبان کا صحیح استعمال' کہ چالیس سال کی مدت گزر گئی لیکن قاضی کی زبان سے کوئی ایسا لفظ ادا نہیں ہوا جس کا جواب پہلے سے نہ سوچ لیا ہو۔ معلوم ہوا کہ کیسے عظیم ہیں وہ لوگ جنہوں نے زبان کی قدر پہچان لی ہے۔

اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم اور آپ ہمیشہ خاموش ہی رہیں اور لوگوں سے بات ہی نہ کریں۔ بھلی بات خاموشی سے بہتر ہے اور بے کار بات سے خاموشی بہتر ہے۔ اسلام میں صبح سے شام تک بلاوجہ خاموش رہنا جائز نہیں۔ بنی اسرائیل (یہودیوں) کے اندر یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ لوگ خاموش رہنے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ قرآن پاک میں اُس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضرت زکریا و مریم علیہما السلام کے زمانے میں لوگ خاموشی کا روزہ رکھتے تھے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو نعمتِ زبان دی ہے تو اُس کا استعمال بھی صحیح طور سے ہونا چاہئے۔

جن غلط باتوں میں نعمتِ زبان استعمال کی جاتی ہے اُن میں سے ایک بڑی عام بیماری جھوٹ بولنا ہے جس کو عربی زبان میں ''کَذِب'' کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں

پچاس سے زائد آیتوں میں جھوٹ بولنے کی برائی' جھوٹ بولنے سے نفرت اور جھوٹ بولنے کی مذمت کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بہت بری عادت ہے۔ اسی لئے بڑے بڑے علماء کرام نے جھوٹ کے بارے میں جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں عام زندگی میں جھوٹ بولنا بالخصوص جھوٹی شہادت دینا ذکر کیا ہے اور جھوٹ بولنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ جھوٹ بولنا کوئی معمولی گناہ نہیں۔ شام کے ایک معروف عالم مصطفیٰ نے کہا:

''اِس وقت دنیا کی تمام مصیبتوں اور برائیوں کی جڑ جھوٹ بولنا ہے۔ لیڈر اور حکمران لوگ اگر اپنی رعایا سے جھوٹ بولنا بند کر دیں تو اُن کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ تاجر لوگ اپنے خریداروں سے جھوٹ بولنا بند کر دیں تو سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ دنیا کے اندر تمام برائیوں کی جڑیں ضرور موجود ہیں اور ان میں سے ایک جڑ جھوٹ بولنا ہے۔ لوگ جھوٹ بولنے کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اب جھوٹ بولنا کوئی عیب ہی نہیں سمجھا جاتا''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''جس دن سے ہم نے اِزار باندھنا شروع کیا ہے (باشعور ہوئے ہیں) اُس دن سے ہم نے اپنی زبان سے جھوٹ نہیں بولا۔''

کہاں ہیں ایسے لوگ اور کہاں سے ملیں گے ایسے لوگ؟ زبان کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی کھلے۔

ہم قرآن حکیم کی چند آیتیں اور رسول اللہ ﷺ سے مروی کچھ حدیثیں بیان کرتے ہیں جن میں اللہ کے رسول ﷺ نے جھوٹ کی مذمت بیان کی ہے۔

جھوٹ ـــــ کبیرہ گناہ:

امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آیا چار کبیرہ گناہوں کی نشان دہی آپ حضرات کے سامنے نہ کر دوں''؟
صحابہ نے عرض کیا: ضرور! آپؐ نے فرمایا: ''شرک کرنا' والدین کی نافرمانی

کرنا' جھوٹ بولنا اور غلط بات کرنا (اور بعض روایات میں جھوٹی گواہی دینا کے الفاظ ہیں)''۔ (۱)

یہ ہے وہ واضح دلیل جس کی بنیاد پر علماء کرام نے جھوٹ کو گناہِ کبیرہ شمار کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تو انہوں نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد جب پہلا خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر دیا تو حاضرین سے کہا: ایک وقت تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ پر کھڑے تھے۔ اتنا ہی کہنا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کر دیا (ذرا طبیعت سنبھلی تو) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کھڑے ہوئے اور فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّهُ مَعَ الْبِرِّ وَهُمَا فِي الْجَنَّةِ ' وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّهُ مَعَ الْفُجُوْرِ وَهُمَا فِي النَّارِ)) (۲)

''تم لوگ سچائی کو اختیار کرو' اس لئے کہ سچائی ہمیشہ نیکی کے ساتھ رہے گی' سچائی اور نیکی دونوں جنت کے اندر جائیں گے' اور تم لوگ جھوٹ سے بچو' اس لئے کہ جھوٹ گناہ کا ساتھی ہے' گناہ کے کام اور جھوٹ دونوں جہنم میں جائیں گے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولنے کو ان کاموں میں شمار کیا ہے جو انسان کو جہنم کے اندر لے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ' فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ ' فَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ' وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا' وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ ' فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُوْرِ ' وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ ' وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ

---

(۱) صحيح البخاري' كتاب الشهادات' باب ما قيل في شهادة الزور' ح ۲۵۱۰' ۲۵۱۱

(۲) الادب المفرد للامام البخاري' ح ۷۲٤۔ امام الالبانیؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحيح الجامع' ح ٤۰۷۲۔ ومسند احمد ۱/۳و٥۔

حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ کَذَّابًا))(۳)

''تم لوگ ہمیشہ سچ بات بولو' اس لئے کہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے' اور بندہ ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کے مقامات ڈھونڈتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اس کو صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم لوگ جھوٹ سے بچتے رہو' اس لئے کہ جھوٹ گناہ کے کاموں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ کے کام جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کے مقامات کو ڈھونڈتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کذاب (پرلے درجے کا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے''۔

اور جب اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ﴾ (الزمر:۳)

''اللہ تبارک وتعالیٰ جھوٹے کافر کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔''

ایک نہیں متعدد آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جھوٹے کو جہنم میں جانے والا قرار دیا ہے' جبکہ صدیق ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے۔

ایک اور حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سا کام ہے جو جنت کی طرف لے جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سچ بولو' اس لئے کہ جو بندہ سچ بولتا ہے تو نیک کام کرتا ہے اور نیک کام والا جنت میں جائے گا''۔ صحابی نے پوچھا: اچھا جہنم میں لے جانے والا کام کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جھوٹ سے بچو' جو جھوٹ بولتا ہے بُرے کام کرتا ہے اور جو بُرے کام کرتا ہے تو بالآخر کفر کرتا ہے' اور جب کفر کر لیا تو گویا وہ جہنم میں چلا گیا''۔(۴)

---

۳) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب ٦٩' ح ٥٧٤٣۔ و صحیح مسلم' کتاب البر والصلة' باب قبح الکذب وحسن الصدق' ح ٧٦٠٧۔ وسنن الترمذی' کتاب البر' باب ما جاء فی الصدق والکذب (حدیث کے الفاظ ترمذی کی روایت کے مطابق ہیں۔)

٤) مسند احمد' ١٧٦/٢ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے شرح مسند احمد' ح ٦٦٤١

اس معنی کی ایک یا دو حدیثیں نہیں' بلکہ متعدد حدیثیں اسی مفہوم کو واضح کرتی ہیں جن میں اللہ کے رسول ﷺ نے جھوٹ بولنے پر متنبہ فرمایا ہے۔

جھوٹے پر اللہ کی لعنت

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ایسی ذکر کی ہیں کہ ان کے مرتکب پر لعنت بھیجی گئی اور خصوصی طور پر اُن کی مذمت کی گئی ہے۔

پہلا معاملہ سورۂ آل عمران میں بیان ہوا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس نصرانیوں (عیسائیوں) کا وفد آیا تو آپؐ سے گفتگو ہوئی اور بحث لمبی ہو گئی۔ آپ ﷺ اُن کو سمجھانے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ وفد اصرار کرتا رہا کہ نہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت (آل عمران:۶۱) نازل فرمادی کہ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو خود بھی باہر نکلیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے کر آئیں اور آپ خود بھی تیار ہو کر باہر نکلیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے کر آئیں اور مباہلہ (۵) کر لیں' اور جو جھوٹ بولنے والا ہوگا اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

دوسرا معاملہ میاں بیوی کا ہے۔ اگر خاوند بیوی پر الزام لگا دے کہ اس نے عزت کو داغ دار کرنے والا غلط کام کیا ہے' لیکن خاوند کے پاس کوئی شرعی شہادت بھی موجود نہ ہو تو الزام ثابت کرنے کے لئے چار بار قسم کھائے کہ مَیں اِس بارے میں سچا ہوں' اور پانچویں دفعہ کہے: میرے اوپر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ (سورۃ النور' آیات ۶'۷) اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں جھوٹ کتنی بری چیز ہے۔

جھوٹ — نفاق کی سب سے بڑی علامت

قرآن مجید اور حدیثِ رسول میں جھوٹ بولنے کو منافقوں کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی مؤمن بندہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر ہم ایمان کے دعوے دار ہیں' اگر ہم دعویٰ

(۵) اصطلاح شریعت میں کسی متنازع فیہ مسئلہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہوئے بددعا کرنا کہ جو جھوٹا ہو برباد ہو جائے' اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔

کریں کہ واقعتاً ہم مسلمان ہیں' منافق نہیں ہیں' تو ہم اور آپ ہرگز جھوٹ نہ بولیں۔ اگر ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ ہم اور آپ جھوٹ بھی بولتے ہیں تو یاد رکھیں دل کے کسی کونے میں نفاق ضرور پل رہا ہے۔

سورۃ المنافقون کی ابتداء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾ (المنافقون: ۱)

''(اے نبی!) جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں اللہ جانتا ہے کہ آپ ضرور اُس کے رسول ہیں' مگر اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ منافق لوگ قطعی جھوٹے ہیں''۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث آئی ہے' جن میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ (بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے) وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ (جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے) وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (جب لڑائی کرتا ہے تو گالیاں بکنے لگ جاتا ہے)''۔[۶]

اگر کسی کے اندر واقعتاً یہ تینوں نشانیاں پائی جاتی ہیں تو اس کے باوجود کہ وہ روزہ رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے' وہ پکا منافق ہے۔ چنانچہ جھوٹ کے بُرا ہونے کے لئے بس اتنا ہی بہت کافی ہے۔

بدقسمتی سے اس وقت جھوٹ مسلمانوں کے ہاں عام ہو چکا ہے۔ چھوٹا' بڑا' عالم' جاہل غرضیکہ ہر آدمی جھوٹ کی لعنت میں ملوث ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

لیکن آپ اس حدیث پر غور کرلیں۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(٦) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامة المنافق' ح٣٣' ٣٤۔ و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق' ح ٥٩

''میں خواب دیکھتا ہوں کہ میرے پاس دو شخص آئے اور مجھے پکڑ کر ارضِ مقدسہ کی طرف لے گئے' راستے میں ایک شخص کو دیکھتا ہوں وہ لیٹا ہوا ہے اور اُس کے سرہانے کوئی شخص چھری لئے ہوئے کھڑا ہے اور اُس کے دائیں جبڑے کو چیرتے ہوئے گُدی تک لے جاتا ہے' نتیجتاً اُس سے خون بہنے لگتا ہے اور سارا بدن خون سے لت پت ہو جاتا ہے' پھر بائیں طرف سے چیرنا شروع کرتا ہے' اتنے میں پہلے والی طرف ٹھیک ہو جاتی ہے تو دوسری طرف چیرنا شروع کر دیتا ہے' اسی طرح باری باری یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرشتوں نے بتایا: یہ وہ شخص ہے جو جھوٹ بولتا تھا''۔ (۷)

غور کریں جھوٹ کتنی بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے قبر میں اور عالمِ برزخ میں بھی عذاب ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک جتنی بُری خصلت جھوٹ بولنا تھی اس قدر وہ کسی دوسری چیز کو برا نہیں سمجھتے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اگر اللہ کے رسول ﷺ کسی کے بارے میں یہ جان لیتے کہ اُس نے یہ بات جھوٹ کہی ہے' یا تجربہ کر لیتے کہ اس نے یہ بات جھوٹ کہی ہے' تو اس کے متعلق آپ ﷺ کے دل میں رنجش ضرور آ جاتی اِلّا یہ کہ آپ نے آزما لیا ہو کہ اس شخص نے جھوٹ سے سچی توبہ کر لی ہے۔'' (۸)

اللہ کے رسول ﷺ جو اوّلین و آخرین میں سے سب سے زیادہ صاف دل انسان تھے' آپؐ کے دل میں کسی کے متعلق کوئی کینہ یا حسد نہیں ہوتا تھا' آپؐ کے دل میں کسی کے متعلق دشمنی کے جذبات نہیں ہوتے تھے' مگر جھوٹے انسان کے لئے' جب تک وہ توبہ نہ کر لے اور اُس کی توبہ لوگوں پر ظاہر نہ ہو جائے' آپ ﷺ کے دل میں رنجش رہا کرتی تھی۔

---

(۷) صحیح البخاری' کتاب التعبیر' باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح' ح ٦٦٤٠۔ و صحیح مسلم' کتاب الرؤیا' باب رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم' ح ٢٢٧٥۔

(۸) المستدرک للحاکم

معلوم ہوا جھوٹ بولنا کسی مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے' بلکہ یہ نفاق کی نشانی ہے۔

جھوٹ کی بہت بری صورتیں

جھوٹ کی بعض صورتیں بہت بُری ہیں اور بعض حالتوں میں اس کا گناہ ہلکا ہے۔ جن صورتوں میں شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے ان کو چھوڑ کر باقی صورتوں میں جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے۔ جن صورتوں میں جھوٹ بہت برا ہے اُن کی تفصیل یوں ہے:

(۱) اللہ اور رسولؐ پر جھوٹ باندھنا

اللہ تعالیٰ اور اُس کے کسی رسول کے بارے میں جھوٹ بولنا انتہائی بُری بات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ﴾ (الزمر: ٦٠)

''قیامت کے دن آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ کا نام لے کر اللہ پر جھوٹ بولا ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔''

دنیا میں چاہے وہ کتنے ہی گورے چٹے ہوں لیکن قیامت کے دن ان کے چہرے کالے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولنا کوئی معمولی بات نہیں۔ متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے والوں کو ظالم' جہنمی اور بہت بڑا گناہ گار قرار دیا ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ﴾ (الانعام: ٢١)

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا یا اُس کی نشانیوں اور آیات کو جھٹلایا اس سے بڑا ظالم کون ہوگا!''

یاد رہے کہ ظالم فلاح نہیں پایا کرتے۔ اسی لئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے بالکل صراحت کے ساتھ اور کھلے لفظوں میں اپنی ذات پر جھوٹ بولنے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ ستّر کے قریب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس معنی میں حدیث بیان کی ہے' جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (۹)

''جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے''۔

اگر کوئی انسان جائز سمجھ کر اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے تو وہ یقیناً کافر ہے اور اس کی نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی جا سکتی۔

ایسے واعظین' علماء اور خطباء کے لئے جو منبر پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کا نام لے کر جھوٹ بولتے ہیں' بہت بڑی عبرت کی بات ہے۔ ہمارے سامنے ایک نہیں متعدد مثالیں موجود ہیں جن کو بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۲) جھوٹ بول کر کسی کا مال ہڑپ کر لینا

جھوٹ بول کر اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ہڑپ کر لیا تو یہ جھوٹ کی بڑی گندی اور ناپاک صورت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ یَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ هُوَ عَلَیْهَا فَاجِرٌ لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ)) (۱۰)

''جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی اور کسی کا مال ناجائز ہڑپ کر لیا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر ناراض ہو گا''۔

نیز حضرت اَبواُمامہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی انسان اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال' تھوڑا ہو یا زیادہ' جھوٹی قسم کھا کر ہڑپ کر لے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے''۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! خواہ کوئی معمولی سی چیز کیوں نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خواہ وہ پیلو کی مسواک ہی کیوں نہ ہو''۔ (۱۱)

(۹) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ح ۱۱۰۔ وصحیح مسلم' المقدمہ' باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ح ۳

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب المساقاۃ' باب الخصومۃ فی البئر' ح ۲۲۲۹۔ و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرۃ بالنار' ح ۱۳۸۔

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وعید من اقتطع من مسلم بیمین فاجرۃ بالنار' ح ۱۳۷ و ۱۳۸۔

اگر اتنا بھی مال کسی بھائی کا ہڑپ کر لیا تو یقین کر لیجئے کہ اُس پر جنت حرام ہے اور جہنم واجب ہے۔

اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! میں بھی تمہارے جیسا ایک بشر ہوں۔ تم میں سے دو آدمی میرے پاس اپنا کوئی جھگڑا لے کر آتے ہیں' بسا اوقات ایک آدمی اپنی بات کو بہت اچھے انداز سے میرے سامنے پیش کر دیتا ہے اور حجت کو ثابت کر دیتا ہے تو اگر کسی نے اپنی حجت پیش کی اور دوسرے کا مال اپنا مال ثابت کر دیا تو یہ سمجھ لیجئے کہ اگر وہ حقیقت جانتا ہے تو اپنے لئے آگ تیار کر رہا ہے' کیونکہ وہ اُس کے بھائی کا حق ہے''۔ (۱۲) (روایت بالمعنیٰ) اس سے بڑھ کر جھوٹ کی اور زیادہ گندی و ناپاک شکل کیا ہوگی؟

(۳) جھوٹی گواہی دینا

جھوٹی گواہی کا معاملہ ہمارے معاشرے میں بالکل عام ہو گیا ہے۔ لوگ اس کام کو بُرا نہیں سمجھتے۔ بظاہر بڑے بڑے نمازی پرہیز گار (خاص طور پر رشتہ داری کا معاملہ ہو یا کسی رشتہ دار کی ترغیب پر) گواہی دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اللہ کے بندو! ذرا سوچو کہ تم دنیا کی رشتہ داری نبھانے کے لئے آخرت کے رشتوں کو (جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں) ختم کر رہے ہو! معلوم ہونا چاہئے کہ جھوٹی گواہی دینا جھوٹ کی بہت گندی اور ناپاک قسم ہے اور جہنم میں لے جانے والی صورت ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> ''کبیرہ گناہ یہ ہیں: شرک کرنا' والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا''۔ صحابہؓ کہتے ہیں: آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے' آپؐ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور ''جھوٹی گواہی دینا'' کے جملے کو بار بار دہرایا۔ صحابہؓ کہتے ہیں: ہم نے دل میں کہا: اے کاش آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔ (۱۳)

(۱۲) صحیح البخاری' کتاب المظالم' باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ' ح ۲۳۲۶۔ وصحیح مسلم' کتاب الاقضیۃ' باب الحکم بالظاھر' ح ۱۷۱۳۔

(۱۳) صحیح البخاری' کتاب الشہادات' باب ما قیل فی شہادۃ الزور' ح ۲۵۱۱۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الکبائر واکبرھا' ح ۸۷۔

اسی لئے قرآن پاک نے جھوٹی گواہی اور شرک کو ایک جگہ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ (الحج: ۳۰)

''بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی گواہی سے بچو''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''جھوٹی گواہی شرکِ باللہ کے برابر شمار ہوگی''۔

(۴) سربراہِ قوم کا جھوٹ بولنا

کوئی حاکم' بادشاہ یا قوم کا سربراہ جھوٹ بولے تو یہ بات انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ ایک شخص صاحب اختیار ہو کر بھی جھوٹی باتیں کرے تو یہ بہت بڑے گناہ کا کام ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ اُنہیں پاک کرے گا' بلکہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی' جھوٹ بول کر عصر کے بعد اپنا سودا بیچنے والا اور وہ شخص جو قوم کا سربراہ ہو پھر بھی جھوٹ بولتا ہو''۔ (۱۴)

جھوٹ تو وہ بولے جس کو کسی قسم کا خوف ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جس کو یہ مقام دیا ہے' اس کو کس کا ڈر ہے؟ تو وہ کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟ اونچے مقام پر ہونے والے کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۵) مغالطہ دینے کی خاطر جھوٹ بولنا

جھوٹ بولنے کی بہت بُری صورت یہ بھی ہے جو عام طور پر پائی جاتی ہے کہ آپ فی الواقع کسیے جھوٹ بول رہے ہیں لیکن وہ آپ کو سچا سمجھ رہا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے بہت بڑی بہادری کا کام کیا ہے' آپ جھوٹ بول کر نکل گئے۔ سننے والا تو آپ کی بات کی تصدیق کرتا ہے جبکہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

(۱۴) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب ۴۶' ح ۱۰۷۔

((كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ لَهُ كَاذِبٌ)) (۱۵)

''بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے جھوٹ بولو اور وہ تمہاری بات کو سچ سمجھے''۔

اس کی طرف توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔

(۶) ہنسانے کی خاطر جھوٹ بولنا

لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنا بھی بہت بُری بات ہے۔ آج کل ہنسانے والوں کی کیسٹیں بھی مل جاتی ہیں۔ آخرت کی جواب دہی سے لاپروا لوگوں کے لئے تو یہ مشغلہ قابل قبول ہوسکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ' اس کے رسولؐ اور آخرت پر ایمان لانے والوں' اُن کے سچے طلب گاروں کو ایسے مشغلے زیب نہیں دیتے' بلکہ یہ خسارے کا سودا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَيْلٌ لِلَّذِيْ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ وَيْلٌ لَهُ فَوَيْلٌ لَهُ)) (۱۶)

''بربادی ہے اُس شخص کے لئے جو باتیں کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے تاکہ لوگوں کو ہنسائے' اُس کے لئے تباہی ہے' اُس کے لئے تباہی ہے''۔

(۷) جھوٹا خواب بیان کرنا

یہ بھی بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔ ذرا غور کریں کتنے ہی لوگ ہیں جو مزاروں پر بیٹھ کر کتنے جھوٹے خواب بیان کرتے ہیں! ان کے بقول کبھی اللہ کے رسول ﷺ خواب میں آ رہے ہیں' کبھی کوئی بزرگ آ رہا ہے۔ بلکہ نامور و نام نہاد لیڈروں کا سارا کاروبار ہی خوابوں پر چلتا ہے۔ کبھی تو اِن جیسوں کے خوابوں میں خود

---

(۱۵) الادب المفرد للامام البخاری' ح ۳۹۳۔ و سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب المعاویض' ح ۴۹۷۱۔ حدیث ضعیف ہے' البتہ اس کا ایک ضعیف معاون مسند احمد ۱۸۳/۴ میں موجود ہے جس کی بنا پر گزارہ لائق سمجھی جاسکتی ہے' اگرچہ امام البانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کو ضعیف شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو السلسلة الضعيفه ۴۰۵/۳' ح ۱۲۵۱۔

(۱۶) مسند احمد ۳/۵ و ۵ و ۷۔ و سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب التشديد فی الكذب۔ امام الالبانی نے حدیث کو حسن شمار کیا ہے۔

اللہ بھی آیا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ جھوٹا خواب بیان کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حشر کے میدان میں جن لوگوں کو جہنم میں ڈالنے سے پہلے ہی سخت عذاب ہوگا' اُن میں ایک جھوٹا خواب بیان کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے حشر کے میدان میں اس کو جَو کے دو دانے دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ ان کے درمیان گرہ لگاؤ''۔ (۱۷)

ظاہر بات ہے کہ کوئی بھی جَو کے دو دانوں کے درمیان گرہ نہیں لگا سکتا۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ حشر کے میدان میں اس کو عذاب دے گا۔

جھوٹ بولنے کی جائز شکلیں

جھوٹ یقیناً بُرا ہے' ناجائز ہے' حرام ہے' لیکن بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں کسی مجبوری اور پریشانی کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہو جاتا ہے۔ یہ صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) جب دو بھائیوں کے درمیان میں صلح کروانا مقصود ہو۔

(۲) جنگ کا معاملہ ہو۔

(۳) کسی مظلوم کو کسی ظالم سے چھپانے کی بات ہو۔

اگر کہیں شرعی ضرورت کے تحت جھوٹ بولنا مجبوری بن جائے تو اُس صورت میں جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی طاقتور ظالم کسی مظلوم کو پکڑنا چاہتا ہے اور مظلوم چھپا ہوا ہے اور آپ جانتے ہیں' آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ظالم بلاوجہ اس کا خون کرنا چاہتا ہے۔ اب ظالم آپ کے پاس آ کر استفسار کرتا ہے تو آپ کوئی صورت اختیار کر سکتے ہیں' مثلاً آپ کہتے ہیں کہ وہ آدمی یہاں نہیں ہے' اور آپ کی مراد وہ جگہ ہے جہاں آپ کھڑے ہوئے ہیں اور سننے والا طاقتور ظالم سمجھ رہا ہے کہ جہاں آپ موجود ہیں وہاں مطلوبہ شخص نہیں۔ اس طرح کا جھوٹ آپ کے لئے جائز ہے۔

اس طرح کسی کی جان یا مال بچانے کے لئے بھی جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔

(۱۷) صحیح البخاری' کتاب التعبیر' باب من کذب فی حلمه' ح ٦٦٣٥۔

یا کوئی لڑائی کا معاملہ ہے وہاں پر بھی آپ جھوٹ بول سکتے ہیں' بشرطیکہ آپ کو یقین ہو کہ اس طرح لڑائی ٹل جائے گی' لیکن جھوٹ بولنے میں پھر بھی احتیاط کرنی چاہئے۔ ایسی بات کہی جائے جو گول مول ہو' جس سے دوسرے معنی نکالے جا سکتے ہوں۔

مثال کے طور پر غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے نکلے' ایک قصبے کے پاس پہنچے' دیکھا کہ وہاں پر دو تین آدمی موجود ہیں۔ اُن سے پوچھا: ''یہاں سے کوئی قافلہ گزرا ہے''؟ لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: آپ کہاں سے ہیں' یعنی آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مِنْ مَاءٍ)) یعنی پانی سے ہیں۔ انہوں نے سمجھا شاید یمن کا کوئی گاؤں ہوگا جس کا نام ''مَاء'' ہے اور آپ وہاں کے رہنے والے ہیں' لیکن آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ ہم پانی سے پیدا ہوئے ہیں' جیسا کہ قرآن پاک میں ذکر ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾ (الانبیاء: ۳۰)

''ہم نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے''۔

اگر کوئی ایسا معاملہ ہو یا جنگ میں دشمن کو غلط معلومات فراہم کرنا مقصود ہو تو صراحت کے ساتھ بھی جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اگر دو بھائیوں کے درمیان لڑائی ہو گئی ہو' اُن کے درمیان اختلاف ہو گیا ہو تو اب تیسرے آدمی کو اجازت ہے کہ پہلے آدمی کے پاس جائے اور کہے کہ میں ابھی اُس کے پاس سے آ رہا ہوں' وہ بڑا شرمندہ ہے' بڑا پریشان ہے' وہ کہتا ہے شیطان ہم دونوں بھائیوں کے درمیان کود پڑا اور معاملہ خراب ہو گیا' اور پھر دوسرے کے پاس جائے اور کہے کل میں فلاں کے پاس بیٹھا ہوا تھا' وہ تو تمہارے بارے میں کوئی بُری بات کرتا ہی نہیں۔ اس طرح دونوں بھائیوں میں صلح ہو جائے گی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے''۔ (۱۸)

(۱۸) صحیح البخاری' کتاب الصلح' باب ۲۔ ح ۲۵٤٦۔ و صحیح مسلم' کتاب البر و الصلة' باب تحریم الکذب و بیان المباح منه' ح ۲٦۰۵۔

یعنی ایک کے سامنے اچھی بات کہتا ہے اور دوسرے کے سامنے بھی اچھی بات کہتا ہے۔
اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں تین چیزوں کے بارے میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے: پہلی چیز لڑائی' دوسری چیز دو بھائیوں کے درمیان صلح کروانا' تیسری چیز مرد کی بات عورت سے اور عورت کی بات مرد سے۔ (۱۹)

تیسری صورت یہ ہے کہ میاں بیوی کے مابین مصالحت کا معاملہ ہو۔ ظاہر ہے زندگی کا معاملہ ہے۔ لیکن پھر بھی بہتر ہے کہ حیلے بازی سے کام لیا جائے۔ جیسا انداز حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اختیار فرمایا۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں تین بار جھوٹ بولا''۔

یہ بھی بڑا مقام ہے کہ زندگی گزر گئی اور صرف تین بار جھوٹ بولا اور وہ بھی دو بار اللہ کے لئے اور ایک بار اپنی بیوی کو ظالم بادشاہ سے بچانے کے لئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف ہوتی تھی ان بُتوں سے جو اُن کا باپ بنا کر رکھا کرتا تھا اور لوگ ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سوچا کرتے تھے کہ اس معاملے کو کس طرح صاف کیا جائے۔ ایک دفعہ گاؤں میں میلہ آیا' تمام لوگ جانے لگے تو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا تم بھی چلو۔ وہ کہنے لگے: میں بیمار ہوں۔ ''سقیم'' کا لفظ استعمال کیا۔ لوگ سمجھے کہ اتنا بیمار ہے کہ ہمارے ساتھ جا نہیں سکتا' لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معمولی بیماری کا بہانہ کیا۔ لوگ چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام وہاں سے نکلے' ایک بڑا سا ہتھیار ساتھ لے لیا اور عبادت گاہ (بت خانہ) کے اندر گھس کر بڑے بت کو دیکھا جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں ہیرے اور موتی کی تھیں' وہ چمک رہی تھیں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کو بڑے غور سے دیکھا تو ان کو بہت غصہ آیا۔ بُتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم لوگ کھاتے کیوں نہیں ہو؟ ظاہر ہے اگر جان ہوتی تو کھاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام بُتوں کو

---

(۱۹) صحیح مسلم۔ حوالہ سابقہ۔

توڑنا شروع کر دیا' یہاں تک کہ سب کو ریزہ ریزہ کر دیا اور جو بڑا بُت تھا اس کی گردن پر جا کر ہتھیار لٹکا دیا۔ جب وہ لوگ میلے سے لوٹے تو گھر جانے سے پہلے وہ اپنی عبادت گاہ میں آئے۔ جب اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں عجیب معاملہ ہے' سارے بت ریزہ ریزہ تھے۔ ہتھیار بھی موجود ہے اور بڑا بُت بھی موجود ہے۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے۔ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ کس نے اس طرح کیا ہوگا؟ لوگوں نے کہا: ابراہیم کے علاوہ کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا کہ یہ تم نے کیا؟ تو وہ بولے یہ معاملہ نہیں ہے' آج تم لوگوں نے اچھے اچھے کھانے لا کر رکھے تھے' ان پر بُتوں کی آپس میں لڑائی ہوئی اور جو بڑا بُت ہے اس نے سب کو مار مار کر گرا دیا۔

ایک دفعہ جب ابراہیم علیہ السلام کا مصر سے گزر ہوا اور وہاں کا ظالم بادشاہ آپ کی بیوی کو پکڑنا چاہتا تھا' اُس نے آپؑ کو بلایا تو آپؑ نے کہہ دیا: وہ میری بہن ہے۔ اُن کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حقیقی بہن ہے' بلکہ مراد یہ تھی کہ دینی بہن ہے۔ اس لئے جب واپس آئے تو سارہ سے کہنے لگے: اے سارہ! اس وقت دنیا میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مسلمان نہیں ہے' یعنی ہم دونوں ایمانی بہن بھائی ہیں' مجھے رسوا نہ کرنا۔ تو بادشاہ نے سمجھا کہ یہ ان کی حقیقی بہن ہے' مگر ابراہیم علیہ السلام کا مقصد تھا کہ یہ میری دینی بہن ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اس قسم کے تین جھوٹ بولے تھے۔ البتہ جو جھوٹ مسلمانوں کے درمیان عام ہو گئے ہیں اس طرح کا جھوٹ آپؑ نے کبھی ہرگز نہیں بولا تھا۔

اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے خوف کا یہ عالم ہے کہ جب لوگ قیامت کے دن آپ سے سفارش کے لئے کہیں گے تو آپؑ فرمائیں گے: میں نے دنیا میں جھوٹ بولا تھا لہٰذا کسی اور کے پاس جاؤ۔ یہ ہے اللہ کا خوف!

ہماری گفتگو میں بہت سے ایسے جھوٹ ہوتے ہیں جنہیں ہم جھوٹ نہیں سمجھتے۔ بچے سے وعدہ کر رہے ہیں کہ ہم تمہیں فلاں چیز لا کر دیں گے لیکن دل کے اندر ہے کہ ہم نہیں لا کر دیں گے۔ مقصود صرف اس کو سکول بھیجنے کے لئے رغبت دلانا ہوتا ہے۔ اگر

کوئی چیز جائز ہے اور آپ کے امکان میں بھی ہے تو اس کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ البتہ اگر بچہ کسی ناجائز چیز کا مطالبہ کرے تو بہانہ وغیرہ کرنا جائز ہے۔

تیسری چیز ہے مبالغے کے لئے جھوٹ بولنا۔ مبالغہ کے لئے بھی لوگ بہت جھوٹ بولتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ایک دو بار آپ کے پاس آتا ہے مگر کہتا ہے کہ میں دس بار آپ کے پاس آچکا ہوں' یا وہ کہتا ہے میں نے سو بار آپ کو فون کیا ہے تو وہ صرف مبالغہ کرنے کے لئے ایسا کہہ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو زبان کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بقیہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کام خود کر لیتے۔ جوانی میں بھیڑ بکریاں بھی چرائیں۔ آس پاس رہنے والوں کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو محلے کی ایک لڑکی کو تشویش ہوئی کہ پہلے تو ابوبکرؓ اس کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے' اب کیا ہوگا۔ آپ کو خبر ہوئی تو اسے تسلی دی کہ تمہارا کام اب بھی میں کر دیا کروں گا۔ اگر کوئی تعریف کرتا تو پسند نہ کرتے اور دعا کرتے ''اے اللہ! تو مجھے اس کے حسن ظن سے بہتر کر دے' میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کرنا''۔

آپ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے عاشق تھے۔ کوئی کام آپؐ کے طریقے سے ہٹ کر کرنا انہیں گوارا نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر رات کو دیر تک نوافل میں مصروف رہنا آپ کا معمول تھا۔ خوفِ خدا اس حد تک تھا کہ مغفرت کی دعا کرتے کرتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔

آپؓ کی چار بیویاں تھیں' جن سے تین بیٹے عبداللہ' عبدالرحمٰن اور محمد' جبکہ تین بیٹیاں اسماء' عائشہ اور اُم کلثوم تھیں (رضی اللہ عنہم وارضاھم اجمعین)۔

دین ہم سے کیا چاہتا ہے؟

تحریر: حامد سجاد

اگرچہ دین کا اپنا مطلب تو نظامِ زندگی ہی ہے' تاہم اس کا اصل موضوع انسان یا فرد ہے اور یہ اسی کی فلاح و بہبود سے بحث کرتا ہے' نظام تو محض اسے رضائے الٰہیہ کے حصول میں مدد دیتا ہے۔ تاہم دُنیوی اعتبار سے بھی نظام کی اہمیت سے انکار نہیں۔

ایک مسلمان کے لئے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ اس کا دین اس سے کیا چاہتا ہے؟ یا بالفاظِ دیگر اللہ کی رضا کا حصول کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ اسی پر اس کی اُخروی نجات وفلاح کا دارومدار ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اعتدال کی راہ سے بھٹک جاتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات فرائض کو چھوڑ کر نوافل کو اختیار کر لیتا ہے' یا شاہ سے بڑھ کر شاہ کا وفادار بننے کی کوشش میں کوئی ایسا کام شروع کر بیٹھتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہے' جس کی سب سے بڑی مثال انسانی معاشرے کو چھوڑ کر راہبانیت یا صحرا و بیابان میں چلے جانا ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ دینی فرائض کا صحیح تصور نہایت اہم ہے۔ اس کو اس مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص نے ایک ملازم رکھا کہ وہ گھر کی صفائی ستھرائی کا کام کرے' لیکن وہ گھر کے سامنے والے میدان میں بھٹی بنا کر اینٹیں بنانا شروع کر دیتا ہے' کیونکہ اس کے خیال میں مالک کا گھر چھوٹا ہے اور اسے بڑا کرنے کے لئے اینٹوں کی اشد ضرورت ہے' تو خواہ وہ کتنی ہی محنت اور تن دہی سے کام کیوں نہ کرے اس کا مالک اس سے کبھی راضی نہیں ہوگا اور نہ اسے اس کام کی کوئی اجرت دے گا۔

انسان کے ہر عمل کے دو بنیادی محرکات ہوتے ہیں: ایک نیت یا ارادہ اور دوسرا فرائض کا صحیح شعور۔ فی الحال ہم دوسرے تک محدود رہیں گے۔

فرائض دینی کا قرآن وسنت سے ماخوذ ایک جامع تصور درج ذیل ہے۔ اس تصور کے مطابق دین کے تین اساسی فریضے ہیں اور تین ہی ان کے لوازم۔

پہلا فریضہ: دین پر خود کاربند ہونا

یہ اگرچہ پہلا مرحلہ ہے مگر اہم ترین ہے۔ جب تک آپ خود کسی شے پر کاربند نہ ہوں اس کی دعوت دینا بھی لاحاصل ہے۔ اس کے لئے چار اصطلاحات ہیں:

(ا) **اسلام**: اسلام سے مراد ہے سرِ تسلیم خم کر لینا۔ جو حکم بھی ملے بلا چون و چرا قبول کر لینا۔ اسلام کے لئے قرآن کا تقاضا یہ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

یعنی جزوی اسلام قابل قبول نہیں ہے۔

(ب) **اطاعت**: یہ اسی کا ایک اور پہلو ہے، یعنی پیروی کرنا۔ لیکن معاملہ ایک قدم آگے بڑھ گیا ہے۔ اطاعت کا لفظ طوع سے نکلا ہے، یعنی دلی آمادگی کے ساتھ پیروی کرنا اور درحقیقت مقصود یہی ہے۔ اسی لئے قرآن میں جا بجا ارشاد ہوا ہے:

﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (التغابن:۱۲)

''اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔''

(ج) **تقویٰ**: تقویٰ سے مراد ہے بچنا۔ یعنی اللہ کی نافرمانی اور اس کی ناراضگی سے بچتے اور ڈرتے رہنا۔ ہر اُس کام کو کرنے سے بچنا جس کی اللہ اور رسول ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔ تقویٰ کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾ (آل عمران:۱۰۲)

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر فرمانبرداری (مسلمانی) کی حالت میں۔''

اس آیت میں اسلام اور تقویٰ دونوں کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ آ گیا ہے۔

(د) **عبادت**: اس ضمن میں یہ چوتھی اصطلاح ہے جو نہایت جامع ہے۔ اس کی اہمیت اس آیت سے واضح ہو جاتی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذّٰریٰت:٥٦)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

گویا ہماری تخلیق کا مقصد ہی عبادت ہے۔ یعنی اگر اس کا حق ادا کر گئے تو کامیاب' ورنہ ناکام۔ عبادت کا لفظ عبد سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے غلام۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح کوئی غلام اپنے مالک کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتا تھا اسی طرح ہم بھی نہ کریں' جس طرح غلام کی غلامی کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا اسی طرح ہماری بندگی کا بھی کوئی وقت مقرر نہیں اور ہمیں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنی ہے۔ شیخ سعدی نے اس کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

لیکن یاد رکھئے' محض بندگی عبادت نہیں ہے' بلکہ محبت آمیز بندگی ہی عبادت کا صحیح حق ادا کرتی ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ جنہیں ہم عبادات کے نام سے پکارتے ہیں' کس اہمیت کے حامل ہیں؟ درحقیقت یہ ہمیں اس وسیع تر بندگی کے لئے تیار کرتے ہیں جو ہمیں اپنی پوری زندگی میں کرنی ہے۔ نماز دن میں پانچ دفعہ پکار کر اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ تم آزاد نہیں ہو' تمہارا کوئی مالک بھی ہے۔ روزہ سال میں تیس دن اس بات کی تربیت کرتا ہے کہ تمہیں ہر اُس شے کو چھوڑنا ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔ زکوٰۃ سال میں ایک بار مال کی محبت کو دل سے نکالنے میں مدد ثابت ہوتی ہے جبکہ حج اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ جس طرح آج تم دو اَن سلے کپڑوں میں تمام دنیا کے افراد کے ساتھ میدانِ عرفات میں جمع ہو اسی طرح ایک دن آئے گا جب تم اللہ تعالیٰ کے روبرو میدانِ حشر میں جمع ہو گے۔

جزوی اطاعت قابل قبول نہیں

تاہم یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ جزوی اطاعت قابل قبول نہیں ہے' بلکہ اس

پر شدید ترین وعید وارد ہوئی ہے۔ فرمایا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرۃ:۸۵)

''کیا تم ہماری کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور ایک حصے کا کفر کرتے ہو؟ پس جو تم میں سے یہ کرے گا اس کی سزا دنیا میں رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن اسے شدید ترین عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے''۔

اگرچہ یہاں خطاب بنی اسرائیل سے ہے لیکن اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ جو قوم اس کی کتاب کو ٹھکرا دیتی ہے اسے نہ صرف دنیا میں عذاب کا نشانہ بننا پڑتا ہے بلکہ آخرت میں بھی عذاب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم اس وقت اس آیت کا کامل نمونہ نہیں بنے ہوئے؟

دوسرا فریضہ: دین کو دوسروں تک پہنچانا

جب ہم خود دین پر کاربند ہو جائیں تو یہ ہمارا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ جس شے کو حق سمجھیں اسے دوسروں کو بھی پہنچائیں۔ اس کی بھی چار اصطلاحات ہیں:

(۱) **تبلیغ**: اس کا مطلب ہے پہنچانا۔ قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ﴾ (المائدۃ:٦٧)

''اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو''۔

اور آپ ﷺ نے اسے اُمت تک پہنچانے کے بعد افرادِ اُمت سے فرمایا:

((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً))

''پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک آیت ہی ہو''۔

آپ ﷺ نے دین ہم تک پہنچا دیا ہے' اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے

دوسروں تک پہنچائیں۔

(ب) **دعــــوت**: اس سے مراد ہے بلانا۔ یعنی لوگوں کو دینِ حق یعنی اسلام کی جانب بلانا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ...﴾ (حٰم السجدۃ:۳۳)

''اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلاتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو۔''

ساتھ ہی حکم دیتے ہوئے کہا گیا:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾

''پکارو اپنے رب کی طرف حکمت کے ساتھ اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور ان کج بحثوں سے مجادلہ کرو اس طور پر جو بہت عمدہ ہو۔''

(ج) **امر بالمعروف ونہی عن المنکر**: لفظی معنی ہیں جانی پہچانی چیز کا حکم دینا اور انجانی چیز سے روکنا۔ یہ انتہائی لطیف بات ہے، کیونکہ ہر انسان کے اندر اس بات کا شعور موجود ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اُمتِ مسلمہ کا مقصدِ بعثت ہے۔ چنانچہ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ))(۱)

''تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے (یعنی طاقت سے) بدلے، اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (یعنی تلقین و نصیحت سے اس برائی کو روکے)، اگر اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

یعنی کم از کم یہ کڑھن تو ہو کہ جب طاقت ہوگی تو اس برائی کو ختم کردوں گا۔ لیکن اگر یہ بھی نہ ہو تو حضورِ اکرم ﷺ کا فتویٰ سن لیجیے:

((وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ))(۲)

''اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان موجود نہیں۔''

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النہی عن المنکر من الایمان، ح ۷۰

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النہی عن المنکر من الایمان، ح ۷۱

(۵) **شہادت علی الناس** : اس سے مراد لوگوں پر حجت قائم کر دینا ہے' تا کہ قیامت کے دن یہ کہا جا سکے کہ ہم نے تبلیغ و دعوت کا حق ادا کر دیا تھا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی اُمت بنایا تا کہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوعِ انسانی پر اور رسولؐ گواہ ہو جائیں تم پر۔''

یہ ایک انتہائی لطیف بات ہے کہ ہم ایک درمیانی اُمت ہیں۔ ہم رسولؐ اور نوعِ انسانی کے درمیان ایک کڑی ہیں اور ہمیں یہ دین ان تک پہنچانا ہے جن تک یہ نہیں پہنچا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))

''پس پہنچائیں وہ جو موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں ہیں۔''

ورنہ قرآن کی یہ وعید بھی سن لیجئے:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۞﴾ (النساء:۴۱)

''اس دن کیا حال ہو گا جس دن ہم ہر اُمت پر ایک گواہ کھڑا کریں گے اور اے نبیؐ! ہم آپؐ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان کے خلاف۔''

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا اُمتی ہونا ہمیں قیامت کے دن نفع دے گا' لیکن قرآن کہتا ہے کہ ہم اے محمد (ﷺ)! آپؐ کو آپؐ کی اُمت کے خلاف گواہ بنا کر اٹھائیں گے' کیونکہ آپؐ نے تو اپنا فریضہ انجام دے دیا تھا لیکن آپؐ کی اُمت نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی۔

تیسرا فریضہ: دین کو قائم کرنا

اسلام دین فطرت ہے اور ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس میں ہر دَور کے لئے کامل ہدایات موجود ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو ہم سب کہتے ہیں' لیکن کیا کبھی آپ نے اس

نظامِ حیات کو نافذ کرنے کی کوشش بھی کی ہے؟ یہاں تو یہ عذر تراشا جاتا ہے کہ یہ زمانے کے ساتھ چل نہیں سکتا' حالانکہ آپ زمانے کے پیچھے کیوں چل رہے ہیں؟ آپ کو تو زمانے کو اپنے پیچھے چلانا تھا۔ بہرحال اس فریضے کے لئے بھی چار اصطلاحات ہیں:

(ا) **تکبیر ربّ**: سورۃ المدثر میں ارشاد ہے:

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ (المدثر:۳)

''اور اپنے ربّ کو بڑا کرو!''

ربّ تو بذاتِ خود بڑا ہے۔ یہاں مراد ہے کہ اسے دنیا میں بھی بڑا کرو کہ اس کا حکم مانا جائے' اس کی بڑائی کو منوایا جائے۔ محض اللہ اکبر کہہ لینے سے تکبیر ربّ نہیں ہو جائے گی' اس کے لئے جدوجہد کرنی پڑے گی۔

(ب) **اقامت دین**: اس سے مراد ہے دین کو قائم کرنا یعنی کھڑا کرنا اور اگر قائم ہے تو اسے قائم رکھنا۔ سورۃ الشوریٰ میں حکم ہوتا ہے:

﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ﴾ (آیت ۱۳)

''دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں نہ پڑو۔''

یہ اللہ کا حکم ہے' لہٰذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اقامت دین کی جدوجہد میں حصہ لے۔ اس فریضے سے اعراض کرنے والوں کے لئے سورۃ المائدۃ کی اس آیت میں عبرت کا کافی سامان موجود ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (آیت ۶۸)

''(اے نبیؐ) کہہ دو: اے اہل کتاب! تم کسی بنیاد پر نہیں ہو یہاں تک کہ تورات و انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔''

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ یہی حیثیت ہماری ہے کہ جب تک ہم قرآن کو قائم نہیں کر لیتے ہماری اللہ کے نزدیک حیثیت ہی نہیں ہے۔

(ج) **یکون الدّین کلّہ للّٰہ**: سورۃ الانفال میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:۳۹)

''اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے اور نظامِ زندگی کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔''

یہ نہ ہو کہ دین کے ایک حصے پر تو عمل ہو اور دوسرے کو فراموش کر دیا جائے' کوئی محض نماز روزے پر اکتفا کرے' کوئی محض داڑھی اور شرعی پاجامے کے ساتھ بلیک مارکیٹنگ کرتا پھرے' اور کوئی ان کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہ کرے۔

(د) **غلبۂ دین حق**: اس سلسلے کی یہ چوتھی اور عظیم ترین اصطلاح ہے۔ یہ سورۃ الصف' التوبہ اور الفتح کی اس آیت میں آئی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ.....﴾

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ اسے تمام نظام ہائے زندگی (ادیانِ باطلہ) پر غالب کر دے۔''

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے کہ جس بات پر زور دینا ہوتا ہے اس کا ذکر بار بار کرتا ہے۔

یہ وہ فرائض ہیں جو ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔

تین لوازم

ان تین اساسی فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کے بعض لوازم بھی ہیں' یعنی یہ وہ کام ہیں جن کے بغیر ان فرائض کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ پہلا لازمہ جہاد ہے۔

جہاد

جہاد سے مراد ہے باہم کشاکش کرنا۔ اس کے تین درجے ان ہی تین فرائض کے حوالے سے ہیں جنہیں آپ جہاد کی تین اقسام بھی قرار دے سکتے ہیں۔

(ا) **جہاد بالنفس**: پہلا فریضہ دین پر خود کاربند ہونا ہے۔ اس سلسلے میں جو سب سے زیادہ آپ کے راستے میں آڑے آئے گا وہ آپ کا اپنا نفس ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (یوسف:۵۳)
''بے شک نفس گناہ کا حکم دینے والا ہے۔''
لہٰذا سب سے پہلی جنگ آپ کو اسی کے ساتھ کرنی ہے اور اس کی خواہشات کو دین کے تابع کرنا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:
((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ)) (شرح السنة)
''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس شے کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں۔''

(ب) **جهاد بالقرآن**: دوسرا فریضہ دین کی اشاعت ہے۔ اس جنگ میں ہمارا سب سے بڑا ہتھیار قرآن کریم ہی ہے۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے باطل نہ صرف کٹ جاتا ہے بلکہ اس کی جڑ بھی اکھڑ جاتی ہے۔ یہ کشاکش نظریاتی سطح پر مشرکین' کافروں اور باطل نظریات کے خلاف ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان میں ارشاد ہوتا ہے:
﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ (آیت ۵۲)
''اور (اے نبیؐ) ان سے اس (قرآن) کے ذریعے جہاد اکبر کیجئے۔''
یہ وہ تلوار ہے جو باطل کو ہی نہیں بلکہ ہمارے نفس کو بھی زیر کر لیتی ہے''۔

(ج) **جهاد بالقوة یا قتال فی سبیل اللّٰه**: تیسرا فریضہ دین کو غالب کرنا ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ قوت کا استعمال کیا جائے' کیونکہ ہر نظام کے ساتھ کسی نہ کسی طبقے کا مفاد ضرور وابستہ ہوتا ہے اور وہ ہرگز نہیں چاہے گا کہ اس نظام کی جگہ کوئی اور نظام لے لے۔ قوت کا استعمال کھلی جنگ کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے۔ تاہم چونکہ موجودہ دَور میں فوج اور اس سے منسلک اداروں سے لڑ کر نظام تبدیل کرنا بہت مشکل ہے' کیونکہ اب فوج کو ہتھیاروں کی بنا پر جو فوقیت حاصل ہے اس کے باعث اس سے مقابلہ ناممکن ہے' لہٰذا اب نظامِ باطل کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے ایک منظم عوامی تحریک درکار ہے جس کی موجودہ دور میں نمایاں مثال انقلابِ ایران کی ہے۔

جماعت

ہم جہاد بالنفس اکیلے کر سکتے ہیں' جہاد بالقرآن بھی کسی حد تک اکیلے کر سکتے ہیں'

مگر قتال جماعت کرتی ہے' کوئی غیر منظم گروہ یا فرد نہیں۔ نہ صرف یہ قتال کے لئے ضروری ہے بلکہ یہ جہاد بالنفس اور جہاد بالقرآن میں بھی ممد ثابت ہوتی ہے۔ دوسروں کو دیکھ کر خود بھی کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ کام مل بانٹ کر احسن انداز میں انجام دیئے جا سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جہاد کے ساتھ اس کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ)) (احمد' ترمذی)

''میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: جماعت کا' سننے کا' ماننے کا' ہجرت کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا۔''

جماعت کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے اور پھر اس سلسلے کا نظام بھی متعین کر دیا گیا ہے' یعنی سمع و طاعت کا' (بحث آگے آ رہی ہے) پھر ہجرت کا' یعنی ہر اُس شے کو چھوڑ دینا جو اللہ کو ناپسند ہے۔ اور غور کا مقام ہے کہ جہاد کا ذکر سب سے آخر میں کیا گیا ہے' کیونکہ جب تک پہلے چار کاموں پر عمل نہ کیا گیا ہو پانچواں مشکل ہے۔

تاہم جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' دین کا اصل مخاطب فرد ہے اور اس کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات دین کا اصل موضوع ہے۔ لہٰذا پیش نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ اس میں افراد کی دینی و اخلاقی تربیت کا کامل اہتمام ہو اور ان کے علم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد کی تصحیح ہو اور عبادات و سنت کی پیروی کے ساتھ ساتھ دین کی اشاعت کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جائے۔

بیعت

بیعت سے مراد سودا کرنا یعنی کچھ لے کر کچھ دینا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں بیعت سے مراد اس بات کا عہد کرنا ہے کہ میں فلاں شخص کی ہر معروف بات مانوں گا' یعنی سمع و طاعت پر عمل پیرا ہوں گا' جس کا حکم رسولِ اکرم ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں دیا ہے۔ تاہم اس حدیث میں بیعت سے مراد ''بیعت جہاد'' یعنی دین کو قائم کرنے کی

جدوجہد کی بیعت کرنا ہے۔ سمع وطاعت کا یہ نظام خصوصاً قتال کے لئے نہایت ضروری ہے اور اس کے بغیر یہ کام تقریباً ناممکن ہے۔ چنانچہ دنیا کی ہر فوج میں یہی نظام نافذ ہے کہ نظمِ بالا کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے' مشورہ تو دیا جاسکتا ہے' اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن عمل اسی بات پر ہوگا جس کا حکم ملے گا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ وہ واحد نظامِ جماعت ہے جو مسنون ہے اور قرآن میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ہر موقع پر بیعت لی خواہ وہ بیعت عقبہ ثانیہ ہو یا بیعت رضوان۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہماری دینی جماعتوں نے بھی اس نظام کو چھوڑ دیا جس کا نتیجہ آئے روز کے فسادات اور جھگڑے اور بالآخر مختلف ٹکڑوں میں بٹ جانا ہے۔ اور پھر رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث بھی قابل غور ہے:

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً))(۱)

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق نہیں تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اور یہ بھی جان لیجئے کہ یہاں بیعت سے مراد ''بیعت جہاد'' ہے ''بیعت ارشاد'' نہیں اور جاہلیت سے مراد اسلام سے ماقبل کی حالت ہے' اور یہ بھی کہ یہ رسول اکرم ﷺ کا فتویٰ ہے۔ لہٰذا ہم سب کا یہ فرض بنتا ہے کہ کسی ایسی جماعت میں شمولیت اختیار کریں جس کا نظام سمع وطاعت پر استوار ہو۔ اگر کوئی ایسی جماعت نہیں ملتی یا معیار پر پوری نہیں اترتی تو خود کھڑے ہو جائیں اور ''مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ'' کی پکار لگا کر اپنے فرائض دینی انجام دینے کی کوشش کریں۔

تمثیل

فرائض دینی کے اس تصور کو سمجھنے کے لئے ایک تمثیل کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔ فرض کیجئے ایک تین منزلہ عمارت ہے جس کی بنیاد دو حصوں میں منقسم ہے' ایک حصہ زیر زمین ہے جو نظر نہیں آتا' درحقیقت یہ ایمانِ حقیقی ہے' یعنی تصدیق بالقلب' یا بالفاظِ اقبال

(۱) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ

یقین محکم ۔ یہ عمارت کا سب سے اہم حصہ ہے' کیونکہ اسی پر پوری عمارت کی مضبوطی و استحکام کا انحصار ہے۔ بنیاد کا دوسرا حصہ سطح زمین سے اوپر ہے جو اقرار باللسان یعنی کلمہ شہادت کی ادائیگی ہے ۔اس کے اوپر چار ستونوں یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کے ذریعے پہلی چھت ڈالی گئی ہے جو پہلے فریضے اسلام' اطاعت' تقویٰ اور عبادت سے عبارت ہے۔اس منزل پر جہاد بالنفس حاوی ہے۔ پھر دوسری منزل کی باری آتی ہے جس میں ستون تو ابھی بھی وہی چار ہیں مگر دیواروں کی وجہ سے وہ نظر نہیں آ رہے ہیں۔ یہ دیواریں جماعت اور جہاد بالقرآن سے مزین ہیں ۔اوپر چھت دوسرے فریضے یعنی تبلیغ' دعوت' امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شہادت علی الناس سے بنی ہوئی ہے۔ تیسری منزل کی دیواریں التزام جماعت' بیعت اور قتال فی سبیل اللہ یا نظام باطل کو چیلنج سے تعمیر ہوتی ہیں' جبکہ اوپر چھت تکبیر ربّ' اقامت دین' یکون الدین کلہ للہ اور غلبہ دین حق کی صورت میں تیسرا فریضہ ہے۔

حرفِ آخر

آخر میں یہ جان لیجئے کہ یہ تصور قرآن وسنت سے ماخوذ ہے اور ایک مسلمان کے لئے اگر وہ اس کو صحیح سمجھتا ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے' تاہم اگر وہ اس میں کوئی خامی دیکھتا ہو تو پھر اس کے لئے لازم ہے کہ آئے اور ہماری غلطی ہم پر واضح کر کے اتمامِ حجت کرے اور خود من انصاری الی اللہ کی پکار لگائے ۔ باقی دُنیوی کامیابی ضروری نہیں ہے' اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہی ہے ۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں خسرانِ عظیم سے بچائے ۔آمین!

(یہ مضمون محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے کتابچے "دینی فرائض کا جامع تصور" کی تلخیص پر مشتمل ہے۔)

مسلمان کا طرزِ حیات (۳۱)

علامہ ابو بکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منهاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الآداب

تیرھواں باب

خصالِ فطرت

مسلمان کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ ﷺ کی ہدایات پر پابندی سے عمل کرتا ہے' اس کی زندگی کتاب و سنت کی روشنی میں گزرتی ہے' اس کے تمام جذبات و احساسات ان ہدایات کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ (الاحزاب : ۳۶)

"اور کسی مؤمن مرد یا عورت کے لائق نہیں کہ کسی معاملہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کر دینے کے بعد بھی ان کے اس معاملہ میں انہیں کچھ اختیار باقی رہے۔"

ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾

(الحشر : ۷)

"رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو' اور جس چیز سے تمہیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔"

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) [1]

"تم میں سے کوئی شخص (کامل) مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی خواہش

(پسند اور ناپسند) میری لائی ہوئی (تعلیمات) کے تابع نہ ہو جائے"۔

نیز فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) (۲)

"جس نے کوئی عمل کیا اور وہ ہمارے حکم (اور طریقہ) کے مطابق نہ تھا' وہ نا قابلِ قبول ہے"۔

اس لئے مسلمان ان خصالِ فطرت کے متعلق درج ذیل آداب کا خیال رکھتا ہے جو فرمانِ نبویؐ میں مذکور ہیں۔ ارشاد ہے:

((خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: اَلْاِسْتِحْدَادُ وَالْخِتَانُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ)) (۳)

"پانچ چیزیں فطرت میں شامل ہیں: زیر ناف کے بال مونڈنا' ختنہ' مونچھوں کے بال کاٹنا' بغلوں کے بال اکھاڑنا اور ناخن کاٹنا"۔

ان آداب کی تفصیل درج ذیل ہے:

① ختنہ: یعنی بچے کے عضو پر موجود پردے کو کاٹ دینا۔ بہتر یہ ہے کہ ختنہ پیدائش سے ساتویں دن کیا جائے' کیونکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے دونوں بیٹوں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا ختنہ پیدائش سے ساتویں دن کرایا تھا"۔ (۴) اگر ساتویں دن کے بجائے بلوغت سے پہلے پہلے کسی اور وقت ختنہ کرا دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنا ختنہ اسّی (۸۰) سال کی عمر میں کیا تھا۔ (۵) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی شخص آکر اسلام قبول کرتا تھا تو حضور علیہ السلام اسے فرماتے تھے:

((اَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ)) (۶)

"کفر کے زمانے کے بال اتروا دے اور ختنہ کر"۔

② مونچھیں کاٹنا: مسلمان ہونٹ پر آجانے والے مونچھوں کے بالوں کو کاٹ دیتا ہے۔ البتہ داڑھی کو بڑھاتا ہے حتیٰ کہ پورا چہرہ بھر جائے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰى' خَالِفُوا الْمَجُوْسَ)) (۷)

"مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں لٹکاؤ۔ (۸) مجوسیوں کی مخالفت کرو"۔

نیز فرمایا:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰى)) (۹)

"مشرکین کی مخالفت کرو' مونچھیں خوب کاٹو' اور داڑھیاں خوب بڑھاؤ"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی مونڈنا حرام ہے۔ اور سر مونڈنے میں "قزع" سے پرہیز کرنا چاہئے۔ "قزع" کا مطلب ہے سر کا کچھ حصہ مونڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: "رسول اللہ ﷺ نے قزع سے منع فرمایا" (۱۰)

داڑھی کو سیاہ خضاب لگانا بھی منع ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد محترم حاضر ہوئے' آپؓ کے سر کے بال اس طرح سفید تھے جس طرح ثغامہ گھاس ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "انہیں ان کے گھر کی کسی خاتون کے پاس لے جاؤ' وہ کوئی چیز (مہندی وغیرہ) لگا کر بالوں کا رنگ تبدیل کردیں۔ لیکن انہیں سیاہ رنگ سے بچانا"۔ (۱۱) البتہ مہندی اور وسمہ سے بال رنگنا مستحب ہے۔ (۱۲)

اگر مسلمان سر کے بال نہ منڈوائے بلکہ انہیں بڑھالیا ہو تو پھر تیل وغیرہ لگائے اور کنگھی کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ)) (۱۳)

"جس کسی کے بال ہوں وہ ان کی عزت کرے"۔

④ **بغلوں کے بال اکھاڑنا:** مسلمان کو چاہئے کہ بغلوں کے بال اکھاڑ دیا کرے۔ اگر اکھاڑنا مشکل ہو تو مونڈ دے یا بال صفایا وڈرو غیرہ کے ذریعے انہیں ختم کردے۔

⑤ **ناخن تراشنا:** مسلمان کو اپنے ناخن تراشنے چاہئیں۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کے ناخن کاٹے پھر بائیں ہاتھ کے' پھر دائیں پاؤں کے' پھر بائیں پاؤں کے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔ (۱۴)

مسلمان یہ تمام کام رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور متابعت کی نیت سے کرتا ہے۔ اس طرح اسے اتباع رسول ﷺ کا اور سنت نبویؐ پر عمل کرنے کا ثواب مل جاتا ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے' اور ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق جزاء ملتی ہے۔

چودھواں باب

نیند کے آداب

مسلمان نیند کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسانات بیان کرتے ہوئے نیند کو بھی ایک احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ (القصص: ۷۳)

"اور اس کی رحمت میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو پیدا کیا تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور (دن میں) اللہ کا فضل (یعنی اپنے لئے روزی) تلاش کرو' اور اس لئے بھی (یہ نظام بنایا ہے) کہ تم شکر کرو۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴾ (النبا: ۹)

"اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا"۔

کیونکہ دن بھر کام کاج اور محنت و مشقت کے بعد رات کے کچھ حصہ میں آرام کرنے سے جسم کی زندگی اور نشوونما میں مدد ملتی ہے اور وہ دوبارہ اپنے ان فرائض کی انجام دہی کے لئے مستعد ہو جاتا ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس نعمت کے شکر کا لازمی تقاضا ہے کہ مسلمان نیند کے متعلق مندرجہ ذیل آداب کو ملحوظِ خاطر رکھے۔

① عشاء کی نماز کے بعد سونے میں بلاوجہ دیر نہ کرے۔ البتہ کوئی ضرورت ہو تو سونے میں دیر بھی کی جاسکتی ہے' مثلاً علم کا مذاکرہ' یا مہمان سے بات چیت' یا گھر والوں سے دل لگی۔ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونا اور نماز کے بعد باتیں کرنا پسند نہیں فرماتے تھے"۔[1]

② کوشش یہ ہونی چاہئے کہ بے وضو نہ سوئے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا:

((إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ)) [2]

"جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو وضو کرلیا کرو جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہو"۔

③ پہلے دائیں پہلو پر سوئے' دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لے۔ بعد میں کروٹ بدل کر بائیں پہلو پر ہو جانے میں کوئی حرج نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّاْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّكَ الْاَیْمَنِ)) (۳)

"جب تم بستر پر جاؤ تو نماز کے وضو جیسا وضو کرلو۔ پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاؤ"۔

اور فرمایا:

((اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ وَاَنْتَ طَاهِرٌ فَتَوَسَّدْ یَمِیْنَكَ)) (۴)

"جب تم پاک ہو کر (وضو کرکے) بستر پر آؤ تو اپنے دائیں ہاتھ کو تکیہ بنالو"۔

④ دن کو یا رات کو' کسی وقت بھی' سوتے ہوئے پیٹ کے بل نہ لیٹے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّهَا ضِجْعَةُ اَهْلِ النَّارِ)) (۵)

"لیٹنے کا یہ انداز جہنمیوں کا ہے"۔

اور فرمایا:

((اِنَّهَا ضَجْعَةٌ لَا یُحِبُّهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ)) (۶)

"لیٹنے کے اس انداز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے"۔

⑤ وہ اذکار اور دعائیں پڑھے جو حدیثوں میں وارد ہیں۔ مثلاً سُبْحَانَ اللّٰهِ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ تینتیس (۳۳) تینتیس (۳۳) مرتبہ کہے۔ پھر کہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

"اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' بادشاہی اسی کی ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے' اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

یہ بات جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمائی تھی۔ جب انہوں نے گھر کا کام کرنے کے لئے خادم کی درخواست کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا:

"کیا تمہیں اس چیز سے بہتر چیز نہ بتاؤں جو تم نے مانگی ہے؟ جب تم بستر پر جاؤ تو تینتیس (۳۳) بار سبحان اللہ کہو اور تینتیس (۳۳) بار الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) بار اللہ اکبر کہو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے"۔[۷]

⑥ قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل آیات پڑھے۔ ان کی ترغیب حدیث میں وارد ہے: سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات مُفْلِحُوْنَ تک، آیت الکرسی، سورۃ البقرۃ کی آخری آیات لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ سے سورت کے آخر تک۔[۸]

⑦ سب سے آخر میں یہ دعا پڑھے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے:

بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِاسْمِكَ اَرْفَعُهٗ، اَللّٰهُمَّ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ الصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ، وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ، فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.[۹]

"اے اللہ! میں نے تیرے نام سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھا ہے، اور تیرے نام سے اسے اٹھاؤں گا۔ اے اللہ! اگر تو میری جان روک لے (نیند میں فوت کرلے) تو اسے بخش دینا، اور اگر تو اسے (نیند کے بعد) واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرمانا، جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے حوالے کرلی، اپنا معاملہ تیرے سپرد کردیا، اپنی پیٹھ کو تیری پناہ دی (تجھے اپنا سہارا بنالیا)۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی، اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا۔ پس میرے وہ گناہ بخش دے جو میں نے پہلے کئے اور جو میں نے بعد میں کئے، اور جو میں نے چھپ کر کئے اور جو میں نے ظاہراً کئے، اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ (اے اللہ) تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے رب! جس دن تو اپنے بندوں کو (قبروں سے) اٹھائے گا اس دن

مجھے اپنے عذاب سے بچالینا!"

⑧ اگر رات کو سوتے سوتے آنکھ کھل جائے تو یوں کہے :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

"اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' ملک اسی کا ہے' تعریف اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ پاک ہے' تعریف اللہ کی ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ (کی توفیق) کے بغیر نہ (نیکی کی) طاقت ہے نہ (گناہ سے) بچاؤ"۔

پھر جو چاہے دعا مانگے' وہ دعا قبول ہوگی۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"جس شخص کی آنکھ رات کو کھل جائے اور وہ جب جاگے تو یہ دعا پڑھے..... پھر کوئی دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی۔ اگر وہ اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوگی۔ (۱۰)

یہ دعا بھی مانگ سکتا ہے :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (۱۱)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں' اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ یا اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما' اور جب تو نے مجھے ہدایت دے دی ہے تو اس کے بعد میرا دل ٹیڑھا نہ کرنا' اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما' تو بہت دینے والا ہے۔"

⑨ جب صبح ہو جائے تو مندرجہ ذیل اذکار پڑھے :

(۱) جب آنکھ کھلے تو بستر سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (۱۲)

"تعریف اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندگی بخشی' اور اسی کی طرف (قیامت کو) اٹھ کر جانا ہے۔"

(۲) جب تہجد کے لئے اٹھے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر سورۃ آل عمران کی آخری دس آیتیں "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے سورۃ کے آخر تک پڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ "جب میں رات کو اپنی خالہ اُمّ المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہا تو رسول اللہ ﷺ آدھی رات کو' یا اس سے کچھ پہلے یا اس سے کچھ بعد اٹھے۔ جب آپ جاگے تو ہاتھ چہرے پر پھیر کر نیند کے آثار زائل کرنے لگے۔ پھر حضور علیہ السلام نے سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیات پڑھیں' پھر آپؐ اٹھ کر (دیوار پر) لٹکی ہوئی مشک کی طرف گئے اور اس سے وضو کیا' اور خوب سنوار کر وضو کیا' پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی"۔ (۱۳)

(۳) چار مرتبہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ بِحَمْدِكَ' اُشْھِدُكَ وَاُشْھِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَائِكَتَكَ وَجَمِیْعَ خَلْقِكَ اِنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ.

"اے اللہ! میں نے تیری تعریف کے ساتھ صبح کی' میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تیرے عرش کو اٹھانے والوں اور تیرے فرشتوں اور تیری تمام مخلوق کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تو اللہ ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' اور محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "جو شخص ایک دفعہ یہ الفاظ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا چوتھا حصہ آگ سے آزاد کر دیتے ہیں' اور جو شخص دو بار کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا آدھا حصہ آگ سے آزاد کر دیتے ہیں' اور جو شخص تین بار یہ الفاظ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا تین چوتھائی حصہ آگ سے آزاد کر دیتے ہیں' اور اگر وہ چار بار یہ الفاظ کہے تو اسے اللہ تعالیٰ آگ سے (مکمل طور پر) آزاد کر دیتے ہیں"۔ (۱۴)

(۴) جب گھر سے نکلتے وقت دروازے کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو کہے: بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ "اللہ کے نام سے (باہر نکلتا ہوں)' میں نے اللہ پر بھروسہ کیا' اللہ (کی مدد) کے بغیر نہ بچاؤ ہے نہ طاقت"۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب بندہ یہ الفاظ کہتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: تجھے ہدایت مل گئی اور تیری کفایت

ہو گئی"۔ (۱۵)

(۵) جب چوکھٹ سے آگے بڑھے تو کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ۔

"اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں' یا لغزش کھاؤں یا مجھے لغزش دی جائے' یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں جہالت کروں' یا مجھ سے جہالت کی جائے۔"

حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جنابِ رسول اللہ ﷺ جب بھی میرے گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو آسمان کی طرف نظر کر کے یہ الفاظ فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ (۱۶)

حواشی

تیرھواں باب

(۱) مشکوٰۃ' بحوالہ شرح السنۃ۔ واربعین نوویؒ' حدیث ۴۱۔ بحوالہ کتاب الحجۃ' تالیف الامام ابوالقاسم اسماعیل بن الفضلؒ۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الاقضیۃ' باب نقض الاحکام الباطلۃ وردّ محدثات الامور۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب قص الشارب۔ وصحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب خصال الفطرۃ (نحوہ)۔

(۴) المعجم الصغیر للطبرانی' ص ۳۲۳' ح ۸۷۴۔ ومجمع الزوائد للھیثمی ۴/ ۵۹' ح ۶۲۰۰۔ وسنن البیھقی ۸/ ۳۲۴' کتاب الاشربۃ' باب ما ورد فی الختان

(۵) صحیح البخاری' کتاب الانبیاء' باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فضائل ابراھیم الخلیل علیہ السلام۔

(۶) سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب فی الرجل یسلم فیومر بالغسل۔

(۷) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب خصال الفطرۃ۔

(۸) یعنی لمبی کرو کہ بال لٹکتے معلوم ہوں۔

(۸) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب خصال الفطرة

(۹) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب اعفاء اللحی (نحوه)۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب خصال الفطرة۔(یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب القزع۔ وصحیح مسلم' کتاب اللباس والزینة' باب القزع۔

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب اللباس' باب استحباب خضاب الشیب بصفرة وحمرة وتحریمه بالسواد (نحوه)۔

(۱۲) اس مفہوم کی احادیث دیکھئے : صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب یذکر من الشیب۔ وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب شیبته صلی اللّٰه علیه وسلم

(۱۳) سنن ابی داؤد' کتاب الترجل' باب اصلاح الشعر۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(۱۴) صحیح البخاری' وصحیح مسلم

چودھواں باب

(۱) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلاة' باب ما یکره من النوم قبل العشاء۔ وصحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاة' باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها...

(۲) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب فضل من بات علی الوضوء۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء' باب الدعاء عند النوم۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب فضل من بات علی الوضوء۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء' باب مایقول عند النوم واخذ المضجع۔

(۴) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب مایقال عند النوم۔

(۵) سنن ابن ماجه' کتاب الادب' باب النهی عن الاضطجاع علی الوجه۔

(۶) جامع الترمذی' کتاب الادب عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی کراهیة الاضطجاع علی البطن۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی الرجل ینبطح علی بطنه۔ ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں : ((یُبْغِضُهَا اللّٰهُ)) "اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں"

(۷) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب التسبیح اول النهار

وعند النوم۔

(۸) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فضل البقرۃ۔

(۹) **اس دعاء کے مختلف حصے مختلف احادیث میں وارد ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے** : سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب ما یقال عند النوم۔ وصحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب الدعاء اذا انتبہ باللیل۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر' باب ما یقول عند النوم واخذ المضطجع۔ **ابوداؤد والی حدیث کی سند صحیح ہے۔**

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب التہجد' باب فضل من تعار من اللیل فصلّی۔

(۱۱) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب ما یقول الرجل اذا تعار من اللیل۔

(۱۲) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب ما یقول اذا نام۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر' باب الدعاء عند النوم۔

(۱۳) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ۔ وصحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ۔

(۱۴) سنن ابی داؤد' باب ما یقول اذا اصبح۔ **اس کی سند صحیح ہے۔** وجامع الترمذی' کتاب الدعوات' باب ۷۹۔

(۱۵) جامع الترمذی' کتاب الدعاء' باب ما یقول اذا خرج من بیتہ۔ **امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔** وسنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب ما یقول اذا خرج من بیتہ۔

(۱۶) جامع الترمذی' کتاب الادب' باب ما یقول اذا خرج من بیتہ (**اس میں آسمان کی طرف نظر کرنے کا ذکر نہیں**) سنن ابن ماجہ' کتاب الدعاء' باب ما یدعو بہ الرجل اذا خرج من بیتہ۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب ما یقول اذا خرج من بیتہ۔

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد وابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور ارتقاء کے مراحل

☆ قیمت: ۲۴ روپے ☆ عمدہ طباعت ☆ صفحات ۶۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501